هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ

دار العلوم کراچی کا ترجمان

البلاغ

جلد ۲۰ — ربیع الاول ۱۴۰۶ھ نومبر/دسمبر ۱۹۸۵ء — شمارہ ۳

* نگراں:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

* مدیر:

محمد تقی عثمانی

* ناظم:

فاروق القاسمی ایم اے (عثمانیہ)

قیمت فی پرچہ ۴ روپے

سالانہ /۴۰ روپے

سالانہ بدل اشتراک: بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک ورجسٹری

ست ہائے متحدہ امریکہ /۲۱۰ روپے • برطانیہ ۔ جنوبی افریقہ ۔ ویسٹ انڈیز ۔ برما ۔ انڈیا ۔ بنگلہ دیش ۔ تھائی لینڈ ۔ ہانگ کانگ

یریا ۔ آسٹریلیا ۔ نیوزی لینڈ /۱۶۰ روپے • سعودی عرب ۔ عرب امارات ۔ مسقط ۔ بحرین ۔ عراق ۔ ایران ۔ مصر ۔ کویت / ۱۳۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴ فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

پبلیشر: محمد تقی عثمانی ۔ دار العلوم کراچی ۱۴ پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس کراچی
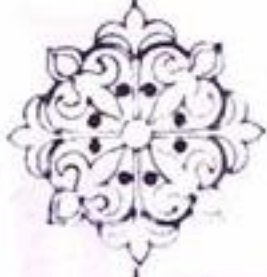
ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

جب سے چین نے مذہب کے بارے میں اپنی سخت پالیسی کو نرم کر کے مسلمانوں کو کچھ مذہبی آزادی دی ہے، اُس وقت سے چینی مسلمانوں کا رابطہ عالمِ اسلام کے مختلف مراکز سے قائم ہونے لگا ہے، پاکستان کے توسط سے ہر سال چینی مسلمانوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد حج کو جانے لگی ہے، اور امسال تو دو ہزار چینی مسلمانوں نے یہ مقدس فریضہ ادا کیا، اور پاکستان کو ان کے سفری انتظامات کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مناسب ہی نہیں، ضروری بھی ہے کہ اسلامی ملکوں سے مختلف وفود چین جائیں، اور دینی معاملات میں وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کی راہیں تلاش کریں۔ اسی غرض سے حکومتِ پاکستان کئی مرتبہ علماء کے وفود چین بھیج چکی ہے، اور کئی بار چینی مسلمانوں کے وفود پاکستان آچکے ہیں۔

امسال حکومتِ پاکستان نے ایک مختصر وفد احقر کی قیادت میں بھیجنے کا ارادہ کیا، دوسرے اعضاءِ وفد میں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب (مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور)، مولانا فخر الحسن کرار وی (پشاور) اور وزارت مذہبی امور کے ڈپٹی سیکریٹری محفوظ احمد مرغوب صاحب شامل تھے۔

اتوار ۵ نومبر کی صبح ۷ بجے ہم اسلام آباد ایئرپورٹ سے، پی آئی اے کے ذریعے روانہ ہوئے۔ اس سمت میں یہ میرا پہلا سفر تھا، اور قدرتی طور پر بڑے اشتیاق کے ساتھ اس سفر کا آغاز ہوا۔ اب اسلام آباد سے جانے والی پرواز پاکستان کے طویل شمالی سلسلۂ کوہ کو عبور کر کے سنکیانگ کے راستے پیکنگ جاتی ہے۔ چنانچہ اسلام آباد کی مرگلہ پہاڑی عبور کرتے ہی حدِ نظر تک اس کوہستان کی برفانی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ اور جہاز نے ان سے بلند ہونے کیلئے دو بار اسلام آباد کا چکر کاٹا، اس کے باوجود ان برف

سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ان کا فاصلہ بہت کم معلوم ہوتا تھا۔ تقریباً بیس پچیس منٹ کی پرواز کے بعد دائیں طرف ایک بہت اونچی چوٹی نظر آئی جو آس پاس کی تمام چوٹیوں میں ممتاز نظر آتی تھی۔ پائلٹ نے اعلان کیا کہ یہ ناگا پربت ہے جو سطح سمندر سے چھبیس ہزار فٹ بلند ہے، اور دنیا کی بلند ترین چوٹیوں میں چھٹے نمبر پر ہے۔ جہاز اس کے بالکل قریب سے اسے تقریباً چھوتا ہوا گزر گیا۔ چند لمحوں بعد جہاز کے بائیں طرف پہاڑوں میں گھرا ہوا گلگت شہر نظر آیا۔ اور اس کے چند ہی منٹ بعد پائلٹ نے اعلان کیا کہ اس وقت جہاز دنیا کی مشہور چوٹی کے۔ ٹو کی بالکل محاذات سے گذر رہا ہے۔ جہاز کے مشرق میں دائیں جانب ایک مثلث سر بفلک چوٹی نظر آئی جو پہاڑوں کے اس سمندر میں ایک سرافراز جزیرے کی طرح ممتاز دکھائی دے رہی تھی۔ یہ کوہ قراقرم کے سلسلے کی وہ چوٹی ہے جسے گڈون آسٹن بھی کہتے ہیں، اور جو اٹھائیس ہزار فٹ بلند ہونے کی بنا پر ماؤنٹ ایورسٹ کے بعد دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی ہے۔

پاکستان کے شمال میں اللہ تعالیٰ نے سر بفلک پہاڑوں کی جو حسین فصیل بنائی ہے، اسے اس طرح پہلی بار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جہاز سے ان پہاڑوں اور ان پر حد نظر تک ڈھکی ہوئی برف کی سفید براق چادر کا منظر اس قدر دلکش تھا کہ رُویں رُویں سے فتبارك الله أحسن الخالقين کی صدا آنے لگی۔ حسن و جمال کے خزانے لٹانے کے علاوہ یہ پہاڑ ملک کی جو دفاعی خدمت انجام دیتے ہیں، اس کے پیش نظر اقبال مرحوم کے اشعار یاد آگئے ؎

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں — چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں — تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیاں

برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر

خندہ زن ہے جو شعاعِ مہرِ عالمتاب پر

تقریباً پچاس منٹ کی پرواز کے بعد اسی کوہستان کے عین درمیان پائلٹ نے اعلان کیا کہ اب ہم پاکستان اور چین کی درمیانی سرحد پر پہنچ چکے ہیں، اور اس کے فوراً بعد جہاز چین کے سب سے بڑے صوبے سنکیانگ (چینی ترکستان) میں داخل ہو گیا۔

چین رقبے کے لحاظ سے سوویت یونین اور کینیڈا کے بعد دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے، جس کا مجموعی رقبہ ۹۶ لاکھ مربع کیلومیٹر ہے، اور آبادی کے لحاظ سے تو دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے جس کی آبادی ایک ارب سے زائد ہے۔ اس کی سرحدیں مغرب میں پاکستان، افغانستان، بھارت، نیپال، سکم، اور بھوٹان سے، جنوب میں برما، لاؤس، اور ویت نام سے، مشرق میں کوریا سے، شمال میں منگولیا اور سوویت یونین سے ملتی ہیں۔

یہ پورا علاقہ بڑی متنوع اور رنگا رنگ جغرافیائی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس میں سر بفلک پہاڑوں کے طویل سلسلے بھی ہیں، لق و دق صحرا بھی، اور نظر افروز سبزہ زار بھی، چنانچہ پیکنگ تک کے سفر میں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے یہ متنوع علاقے نظر آتے رہے۔ قراقرم کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتے ہی ایسا بے آب و گیاہ ریگستان شروع ہو گیا جس میں حد نظر تک زندگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے تھے، اس کے بعد پھر برف پوش پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ آگیا، اور نشیب و فراز کا یہ سلسلہ پیکنگ پہنچنے تک جاری رہا۔ غالباً اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ چین کو اگر مغرب سے اس طرح دیکھا جا سکے کہ مشرق

کے ساحلی علاقوں تک پورا خطہ سامنے ہو تو ایک زینہ سا اُترتا نظر آئیگا۔

تقریباً چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز بیجنگ[1] کے ہوائی اڈے پر اُترا تو یہاں شام کے چار بجے تھے۔ (چین کا وقت پاکستان سے تین گھنٹے آگے ہے)۔ جہاز کے شوٹ سے نکلتے ہی لاؤنج میں پاکستانی سفارت خانے کے اعلیٰ افسران نے وفد کا استقبال کیا، اور ایک لاؤنج عبور کرنے کے بعد چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے عہدہ داران، اور چین کے محکمۂ مذاہب کے نائب صدر استقبال کیلئے موجود تھے۔ چین میں ہماری میزبانی چونکہ چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کر رہی تھی، اس لئے وی آئی پی لاؤنج میں ان حضرات کے ساتھ کچھ دیر رسمی گفتگو رہی، اور نماز عصر وہیں ادا کرنے کے بعد ہم ہوائی اڈے سے روانہ ہوئے۔ ہمارے قیام کا انتظام ایک ہوٹل میں کیا گیا جو یہاں "اقلیتی قومیتوں کے محل" کے نام سے مشہور ہے، اور اس کی دس منزلہ شاندار عمارت بیجنگ کے سب سے بڑے مین روڈ "چانگ این اسٹریٹ" پر واقع ہے۔ یہاں پہنچتے پہنچتے مغرب ہو چکی تھی، نماز اور رات کے بعد چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے حضرات نے چین میں قیام کے دوران ہمارے پروگرام سے ہمیں آگاہ کیا۔ تھکن بہت تھی، اس لئے اس رات ہم جلد ہی اپنے بستروں پر پہنچ گئے۔ ساتویں منزل پر واقع اس کمرے کی کھڑکی سے بیکنگ کا عمومی منظر سامنے تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں دُور تک نظر آتی تھیں، لیکن ان پر روشنیوں کی وہ چمک دمک جس سے آجکل ہر ترقی یافتہ، بلکہ ترقی پذیر شہر بھی، جگمگاتا نظر آتا ہے، یہاں اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ سارے شہر میں کہیں کوئی ایک نیون سائن بھی موجود نہیں تھا، آرائشی روشنیاں ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آئیں، سڑکوں اور عمارتوں پر صرف بقدر ضرورت بلب روشن تھے، جو کراچی کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے مقابلے میں کالعدم سے محسوس ہوئے، اور اس چکاچوند کی عادی نگاہوں کو بڑے اجنبی نظر آئے، لیکن عقل کا فیصلہ یہی تھا کہ جو ملک برقی طاقت کی کمی کا شکار ہو، اُسے اپنی تھوڑی بہت برقی طاقت کو نمائش و آرائش میں صرف کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ چین نے اگر عقل کے اس فیصلے کو جذبات پر مقدم رکھا ہے تو یہ بات قابلِ اعتراض نہیں، قابلِ ستائش ہے، اور نظر ثانی کا محتاج ہے تو ہمارے طرزِ عمل، جو سال بھر لوڈ شیڈنگ، اور وقتاً فوقتاً بجلی کی خرابی کو گوارا کر لیتے ہیں، لیکن نمائشی اور آرائشی روشنیوں میں روزانہ اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں۔

صبح ناشتے کے بعد ہمارے دورے کا آغاز ہماری میزبان تنظیم "چائنا اسلامک ایسوسی ایشن" کے مرکزی دفتر کے معائنے سے ہوا۔ یہ تنظیم ملک گیر سطح پر چینی مسلمانوں کی ایک کثیر المقاصد تنظیم ہے، جو سرکاری سرپرستی میں کام کرتی ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل بیان کئے گئے ہیں:۔

(۱) مذہبی آزادی کے قیام میں حکومت کی مدد کرنا۔

(۲) بہترین اسلامی روایات کو قائم کرنا۔

(۳) اسلام کی روشنی میں جذبۂ حب الوطنی کو فروغ دینا۔

---

[1] اس شہر کا اصل چینی نام بیجنگ ہے۔ انگریزوں نے اسے "پیکنگ" کے نام سے مشہور کیا، اور انگریزی میں اس کے ہجے PEKING کئے۔ بعد میں اہل چین نے اس کو اصل تلفظ کی طرف لوٹانے کے لئے اس کو "بیجنگ" ہی کہنا شروع کر دیا ہے، اور اب دُنیا بھر میں اسے BEIJING ہی کہا جاتا ہے۔

(۴) عالمی امن کے قیام کی جدوجہد۔
(۵) اسلامی علوم میں تحقیق کا کام سرانجام دینا، اور متعلقہ تاریخی مواد جمع کرنا۔
(۶) مسلمانانِ عالم کے ساتھ باہمی مفاہمت اور دوستی کو فروغ دینا۔

یہ تنظیم ۱۹۵۳ء میں قائم کی گئی تھی، اور اس کے اخراجات چینی حکومت کی مالی امداد کے علاوہ مسلمانوں کے باہمی چندے، اور دُنیائے اسلام کے مختلف اداروں کے عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

اس انجمن کے صدر الحاج محمد علی ٹران جے ہیں، لیکن ان کے ضعف اور علالت کی بنا پر انجمن کے زیادہ تر عملی فرائض نائب صدر الحاج محمد الیاس انجام دیتے ہیں جن کا چینی نام شین زیازی ہے۔ اس انجمن کی مجلسِ شوریٰ ۱۵۰ ارکان پر مشتمل ہے، جن میں سے ۴۸ منتخب ارکان مجلسِ عاملہ کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

اجتماعی سطح پر چینی مسلمانوں کی یہ واحد ملک گیر تنظیم ہے جو مسلمانوں کی دینی رہنمائی کرتی ہے۔ چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ ۱۹۴۲ء میں چیانگ کائی شیک کے زمانے میں جو مردم شماری ہوئی تھی اُس کی رُو سے یہاں کے مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ لیکن اشتراکی انقلاب کے بعد کی مردم شماریوں میں چونکہ مذہب کا کوئی الگ خانہ نہیں تھا، اس لئے مسلمانوں کی تعداد الگ شمار کرنے کا کوئی قابلِ اعتماد راستہ نہیں ہے۔ انقلاب کے بعد کی مردم شماریاں قومیتوں کی بنیاد پر ہوئی ہیں۔ چین میں ۵۶ قومیتیں پائی جاتی ہیں جن میں اکثریتی قومیت ھان ہے، جو کُل آبادی کا ۹۳٫۳ فیصد بتائی جاتی ہے۔ اس قومیت میں بھی مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد ہے، لیکن زیادہ تر مسلمان اقلیتی قومیتوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور ویغور، قازق، تاجک، ازبک، ھوئی، تاتار، کرغیز، تونگ شیانگ، سالار اور باؤآن قومیتوں میں مسلمانوں کی بھاری تعداد پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض قومیتوں، مثلاً ویغور، قازق، اور تاجک وغیرہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

لہٰذا اشتراکی انقلاب کے بعد مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ ان قومیتوں میں مسلمانوں کے تناسب سے لگایا گیا، اور اب سرکاری طور پر عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ چین میں مسلمانوں کی کُل تعداد ایک کروڑ چھیالیس لاکھ ہے۔

مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں یہ بیان یقینی طور پر ناقابلِ اعتماد اور انتہائی بعید از قیاس ہے، کیونکہ اگر ۱۹۴۲ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ تھی تو چالیس سال سے زائد مدت گذرنے کے بعد اس تعداد سے ساڑھے تین کروڑ کم کیسے ہو سکتی ہے؟

چین میں اسلام کی ضیابار کرنیں پہلی صدی ہجری ہی میں طلوع ہو گئی تھیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ہی میں بعض مبلغین چین کے مشرقی ساحل تک پہنچ چکے تھے، بلکہ چین کے ایک مشرقی شہر کوانچو میں ایک مزار ہے، صاحبِ مزار کا نام حضرت ابو وقاصؓ بتایا جاتا ہے، اور اس علاقے کے مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ یہ صحابی تھے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد بھی ایران کے مسلمان تاجر کاشغر کے راستے اور عرب کے حضرات بحری راستے سے کوانچو اور دوسرے جنوبی اور جنوب مشرقی بندرگاہوں تک آتے رہے، اور انہوں نے یہاں تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے فوجی لشکر کشی تو پہلی بار ولید بن عبد الملک کے زمانے میں قتیبہ بن مسلم باہلی کی سرکردگی میں ہوئی تھی، لیکن وہ چین کے جنوب

مغرب میں بہت تھوڑے حصے تک جا سکے تھے کہ انہیں واپس بُلا لیا گیا۔ لہٰذا چین میں اسلام کی نشر و اشاعت تمام تر انہی مسلمان تاجروں اور مبلغوں کا کارنامہ ہے۔ جن کے جذبۂ دعوت و تبلیغ کی بدولت آج صدیوں بعد بھی یہاں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے۔

چین میں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت کے بعد یہاں "ثقافتی انقلاب" کے نام سے جو تحریک چلی، اس میں مذہب کے خلاف بڑی سختیاں کی گئیں، مسلمانوں کی مسجدیں بند کر دی گئیں، تعلیمی ادارے ختم کر دیئے گئے، اور اسلامی شعائر کو مٹانے کی پوری کوشش کی گئی۔ مسلمانوں پر یہ دَور بڑا سخت گذرا، اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں "چائنا اسلامک ایسوسی ایشن" جیسی تنظیم کیلئے کسی قابلِ ذکر کام کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد چند سالوں سے (۱۹۷۶ء کے بعد) حکومت نے اپنی پالیسی تبدیل کی، ملکی قوانین میں مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی، جو مسجدیں بند اور ویران پڑی تھیں، انہیں نہ صرف کھولا گیا، بلکہ ان کی مرمت اور تعمیرِ نو کی گئی، تعلیمی اداروں کو فی الجملہ کام کرنے کی اجازت ملی، اُس وقت سے یہ ایسوسی ایشن ملک میں دینی خدمات انجام دینے کیلئے خاصی سرگرمی سے کام کر رہی ہے۔

انجمن کے صدر دفتر کی عمارت خاصی شاندار ہے، یہاں انجمن کے صدر، نائب صدر اور دوسرے عہدہ داروں نے ہمارے وفد کا استقبال کیا، اور چین میں مسلمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ بیجنگ میں ایک لاکھ اسی ہزار مسلمان آباد ہیں، اور شہر بھر میں چھیالیس مسجدیں ہیں، نئے قانون کے بعد مسلمان آزادی سے یہاں عبادات انجام دیتے ہیں، مسلمانوں کے ریستوران اور مذبح خانے علیحدہ ہیں، ہوائی جہازوں اور ریلوں میں بھی ان کیلئے حلال کھانے کا الگ انتظام ہوتا ہے، بلکہ بیجنگ سے کانسو جانے والی ایک ٹرین کے بارے میں تو صرف مسلمانوں ہی کا کھانا ملتا ہے، کیونکہ اس علاقے میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔

انجمن کے حضرات نے ہمیں انجمن کی طرف سے شائع کی ہوئی دو کتابیں "تفسیر جلالین" اور "شرح الوقایہ" کے نسخے بھی ھدیۃً پیش کئے، یہ کتابیں انجمن نے اپنے مدرسے میں پڑھانے کیلئے شائع کی ہیں۔ "تفسیر الجلالین" ایک مصری نسخے کا فوٹو ہے، اور "شرح الوقایہ" ہندوستانی نسخے کا جس پر حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی قدس سرہٗ کا حاشیہ "عمدۃ الرعایۃ" بھی ہے۔ دونوں کتابیں نہایت نفیس کاغذ پر اونچے معیار کے ساتھ شائع ہوئی ہیں جنہیں دیکھکر دل خوش ہوگیا۔

اس کے بعد ہم اسی عمارت کے اس حصے میں گئے جہاں مدرسہ قائم ہے، اس مدرسہ میں پانچ سالہ نصاب پڑھایا جاتا ہے، جس میں عربی زبان و ادب کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد اور اسلامی تاریخ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہم مختلف جماعتوں میں گئے، ایک کمرے میں نحو کا درس ہو رہا تھا، اس میں تقریباً بیس پچیس طلبہ زیرِ تعلیم تھے، ہم نے طلبہ سے سوالات بھی کئے، اور جوابات سے اندازہ ہوا کہ تعلیم کا معیار اچھا خاصا ہے۔ ایک جماعت میں شرح الوقایہ میں کتاب الطلاق کا درس ہو رہا تھا، وہاں بھی بیس کے قریب طلبہ ہونگے۔

چین جیسے ملک میں، جہاں ایک عرصے تک مذہب کو فنا کرنے کی کوشش کی گئی ہو، اور جہاں علمِ دین کے حامل افراد کے سامنے کوئی معاشی مستقبل نہو، اتنے طلبہ کا ان مدرسوں کی طرف رجوع کرنا بھی بسا غنیمت ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ انجمن اپنے یہاں طلبہ کو دوسرے تعلیمی اداروں کے مقابلے میں زیادہ وظائف دیتی ہے، کیونکہ اس وقت چینی مسلمانوں کے

سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ملک بھر کی ۲۳ ہزار مسجدوں کے موجودہ ائمہ زیادہ تر عمر رسیدہ ہو چکے ہیں، اور اب ان کی جگہ لینے کیلئے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کی ضرورت ہے۔

اسی انجمن کے تحت اسی عمارت میں ایک دُکان بھی قائم ہے جس میں قرآن کریم کے نسخے، دینی کتابیں، اور مسلمانوں کی دوسری دینی ضروریات، مثلاً جانمازیں، ٹوپیاں، تسبیحیں، ہجری کیلنڈر، خواتین کی اوڑھنیاں، اور اس طرح کی دُوسری چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ یہیں سے ایک ماہانہ رسالہ "چینی مسلمان" کے نام سے چینی اور ویغور زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

بیجنگ کی نیوجے مسجد:

ایسوسی ایشن کے صدر دفتر کے بعد ہم نیوجے مسجد پہنچے، جو بیجنگ کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ جس محلّے میں آباد ہے، اسے نیوجے اسٹریٹ کہتے ہیں، اور یہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، بلکہ اس محلّے کا نام بھی نیوجے اس لئے پڑا کہ نیوجے چینی زبان میں گائے کو کہتے ہیں، اور مسلمان چونکہ زیادہ تر گائے کا گوشت کھاتے ہیں، اس لئے اس سڑک کا نام ہی نیوجے رکھ دیا گیا۔

مسجد کے امام صاحب نے مسجد کے متصل ایک ہال میں استقبال اور مہمانی کے بعد سب سے پہلے مسجد کا کتب خانہ دکھایا جس میں قرآن کریم اور دوسری عربی اور فارسی کتابوں کے نادر قلمی نسخے موجود ہیں۔ قرآن کریم کا ایک نسخہ سات سو سال پُرانا ہے، اور فقہ اور تصوّف کی مختلف کتابوں کے مخطوطات ہیں، تصوف کی بعض ایسی کتابوں کے قلمی نسخے بھی نظر آئے جو ابھی تک احقر نے مطبوعہ شکل میں نہیں دیکھے۔

اس کے بعد ہم مسجد میں پہنچے، کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد ایک ہزار سال پہلے تعمیر ہوئی تھی، بعد میں چین کے منگ خاندان کے زمانے میں اس کی توسیع اور از سرِ نو تعمیر ہوئی، مسجد کا موجودہ ڈھانچہ اسی وقت سے چلا آتا ہے، اور یہ اُس دَور کے مخصوص طرز تعمیر کا شاہکار ہے، مسجد کا اندرونی ہال تمام تر لکڑی کا بنا ہوا ہے، لکڑی پر نہایت شاندار اور دیرپا روغن ہے، اور اس پر سونے کے پانی کا کام ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کام میں ڈھائی کیلوگرام سونا خرچ ہوا تھا۔ یہ چوبی عمارت اس قدر پائیدار ہے کہ تقریباً پانچ سو سال گذرنے کے بعد بھی اس کی آب وتاب میں فرق نہیں آیا، بلکہ اس دوران پتھر کی بنی ہوئی بہت سی عمارتیں شدید زلزلوں میں تباہ ہوگئیں، لیکن اس عمارت کو زلزلوں میں بھی نقصان نہیں پہنچا۔

چین کے ثقافتی انقلاب کے بعد اس مسجد کو بند کر دیا گیا تھا، لیکن ۱۹۷۹ء میں ۴۰ لاکھ یوآن کے خرچ سے اس کی دوبارہ مرمت کی گئی، اور ۱۹۸۱ء میں اسے نمازیوں کے کھول دیا گیا۔ امام صاحب کا کہنا ہے کہ یہاں پنج وقتہ نمازوں میں ۸۰ سے ۲۰۰ تک نمازی ہوتے ہیں، جمعہ میں ۶۰۰ اور عیدین میں دو ہزار تک افراد نماز پڑھتے ہیں۔ اور نمازیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی مسجد کے احاطے میں دو بزرگوں کے مزارات ہیں، ایک مزار کے کتبے پر قدیم عربی رسم الخط میں لکھا ہے کہ یہ شیخ محمد بن محمد بن احمد البرسانی القزوینی کی قبر ہے جن کی وفات ۶۷۹ھ میں ہوئی، دوسرے صاحب مزار شیخ علی بن القاضی عماد الدین البخاریؒ ہیں جن کی وفات ۶۸۲ھ میں ہوئی۔ ان بزرگوں کے حالات تو معلوم نہیں ہوسکے، لیکن ان مزارات سے

ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں ماوراء النہر کے علماء یہاں تعلیم و تبلیغ کیلئے مقیم رہے ہیں، اور یہ انہی حضرات کی محنتوں اور قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ مراکز اسلام سے اس دور افتادہ علاقے میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ابھی تک کلمۂ توحید سینوں میں بسائے ہر طرح کے مشکل حالات کا سامنا کرتی رہی ہے۔ رحمھم اللہ تعالیٰ وطیب ثراھم۔

شام ۳½ بجے ہم چین میں پاکستانی سفارت خانے کی عمارت میں پہنچے۔ چین میں پاکستان کے سفیر جناب انور بھٹی صاحب سے مفید ملاقات ہوئی، وہ یہاں ساڑھے تین سال سے سفارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ وہ چین کے تقریباً ہر صوبے میں گئے ہیں، اور چین کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی حالات سے وہ بہت باخبر ہیں۔ سفارت خانے کی عمارت بھی ماشاء اللہ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے جو ایک معاہدے کے تحت پاکستانی نقشے کے مطابق چینی حکومت نے اپنے خرچ پر تعمیر کی ہے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے بھی اسلام آباد میں چینی سفارت خانہ اپنے خرچ پر بنایا ہے۔ سفارت خانے میں ایک مسجد بھی ہے جس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے۔

شام چار بجے مسلمانانِ چین کے ایک معمر رہنما جناب برہان شہیدی صاحب سے ان کے مکان پر ملاقات ہوئی، یہ چین کی قومی سیاسی مشاورتی کمیٹی کے وائس چیئرمین بھی ہیں، اور چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے اعزازی چیئرمین بھی۔ یہ نسلاً ویغور ہیں، اور ان سے بات چیت کیلئے پہلے ویغوری سے چینی، پھر چینی سے اردو میں ترجمانی کی ضرورت پڑی، البتہ چند معروف جملے انہوں نے عربی میں بھی کہے۔ ان کی عمر بانوے سال ہے، اور نہ صرف یہاں کے مسلمان انہیں عزت و احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں، بلکہ پورے ملک کی سیاسی مشاورتی کمیٹی کے وائس چیئرمین ہونے کی بنا پر ملک میں ان کا سیاسی مقام بھی بہت بلند ہے۔

رات کو ہمارے ہوٹل ہی کے "اسلامی مطعم" میں میزبان ایسوسی ایشن نے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا تھا جس میں ایسوسی ایشن کے عہدہ داروں اور بیجنگ کی مساجد کے ائمہ حضرات کے علاوہ سفیر پاکستان جناب انور بھٹی، سفارت خانے کے اعلیٰ افسران، اور برہان شہیدی صاحب بھی شریک ہوئے۔

---

۱۶ نومبر کی صبح نو بجے ہم پہلے بیجنگ کے مشہور چوک "تھیان آن من گے"، جو پیپلز اسکوائر کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا چوک ہے۔ یہ بیجنگ کی مرکزی سڑک چانگ این اسٹریٹ پر واقع ہے، جو بذاتِ خود نہایت وسیع سڑک ہے، اور جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے کسی شہر کے اندرونی حصے میں اتنی چوڑی سڑک نہیں دیکھی۔ اسی سڑک کا وہ چوراہا جو گریٹ ہال کے ساتھ واقع ہے، پیپلز اسکوائر کہلاتا ہے، اور یہاں پہنچکر چانگ این اسٹریٹ سے مغرب کی جانب ایک اس سے بھی کئی گنا زائد بڑا میدان ہے جس کے مغربی سرے پر وہ عمارت ہے جس میں ماؤزے تنگ کا جسم رکھا گیا ہے، شمالی جانب گریٹ ہال ہے، اور جنوب میں ایک میوزیم کی شاندار عمارت ہے، ان عمارتوں کے درمیان جو بڑی جگہ خالی پڑی ہے جس میں تین معروف سڑکیں بھی شامل ہیں، تھیان آن من یا پیپلز اسکوائر کہلاتی ہے، اور اس میں بیک وقت دس لاکھ آدمیوں کی گنجائش ہے۔ چنانچہ اہم قومی اجتماعات اسی چوک میں ہوتے ہیں، شمال کی جانب منگ طرزِ تعمیر کی ایک خوبصورت عمارت بنی ہوئی ہے، جو ایسے اجتماعات میں اسٹیج کا کام دیتی ہے، یہ انتہائی پُرشکوہ چوک ہے جو اپنی وسعت خوبصورتی، صفائی ستھرائی

اور گنجائش کے اعتبار سے دنیا بھر میں منفرد اور بے نظیر ہے۔ یہاں ہر وقت سینکڑوں سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے، لیکن بدنظمی پیدا نہیں ہوتی اور چانگ ین اسٹریٹ سے گذرتے ہوئے یہ ہجوم بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اس چوک کو پیدل عبور کرنے کے لئے تو بڑا وقت درکار ہے، ہم نے اسے کار ہی سے عبور کیا، اور اس کے جنوبی سرے پر ماؤزے تنگ کی عمارت کے قریب اترے، یہاں اندر جانے والوں کی ایک طویل قطار حد نظر تک بل کھاتی ہوئی رواں دواں تھی، ہم عمارت کے اندر داخل ہوئے تو اس کے ایک ہال میں ماؤزے تنگ کی لاش کو مسالوں کے ذریعے محفوظ کر کے ایک شفاف شوکیس میں رکھا ہوا ہے۔ جسم کا بیشتر حصہ چادر میں ڈھکا ہوا ہے، البتہ سینہ، گلا اور چہرہ کھلا ہوا ہے جو شوکیس سے صاف نظر آتا ہے۔ لوگ اس عجوبے کو دیکھنے کیلئے بھی یہاں آتے ہیں کہ ایک شخص کی لاش ۱۹۷۶ء سے اب تک ممی کی شکل میں صحیح سالم نظر آتی ہے، اور بہر حال! یہ ہے بھی ایک عجوبہ، لیکن اس عجوبے کیلئے لاکھوں روپے کی رقم خرچ کرنیوالوں کو یہ کون بتائے کہ ماؤزے تنگ اس گوشت پوست کا نام نہیں تھا، جس شخص کا نام ماؤزے تنگ تھا، وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہے؟ قیمتی مسالے اس گوشت پوست کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، لیکن اس روح کی حفاظت کیلئے آج تک کوئی سائنس ایسا مسالہ دریافت نہیں کر سکی جس کے پرواز کرنے کے بعد چلتا پھرتا انسان ایک بے جان پتھر بنکر رہ جاتا ہے۔

یہ مجسمۂ عبرت اگرچہ اب بھی بہت سے چینی لوگوں کیلئے عقیدت و احترام کا مرکز ہے، لیکن اب لوگوں کے دل میں ماؤزے تنگ کی عظمت اس درجے میں باقی نہیں رہی جس درجے میں اس کی زندگی میں تھی۔ پہلے وہ ایک ایسا معصوم رہنما تھا جس کے فکر و عمل پر کسی تنقید کا تصور مشکل تھا، لیکن اب اس کی پالیسیوں پر سخت تنقید کی جارہی ہے، کمیونسٹ پارٹی کی گیارھویں کانگریس کے تیسرے مکمل اجلاس میں (جو ۱۹۷۸ء میں منعقد ہوا تھا) حکومت کی پالیسی میں بڑی انقلابی تبدیلیاں کی گئیں، (جن کا ذکر انشاء اللہ میں آگے کروں گا)، اس موقع پر یہ بات بڑی کشادہ دلی اور صراحت کے ساتھ تسلیم کی گئی کہ ثقافتی انقلاب کے دس سالوں میں چین کو بہت سے میدانوں میں بڑا نقصان پہنچا ہے، اور اس ناقص پالیسی کی خاصی ذمہ داری، ظاہر ہے کہ، چیئرمین ماؤزے تنگ پر بھی عائد ہوتی ہے،

ایک مرتبہ بیجنگ کے اخبار "پیپلز ڈیلی" نے لکھا کہ "ماؤزے تنگ ایسا عظیم انسان تھا جس سے غلطیاں بھی بڑی عظیم سرزد ہوئیں"۔ بہر حال! اس پہلو پر میں انشاء اللہ سفرنامے کے آخر میں تبصرہ کرونگا۔

جامع مسجد دونگ سی:

اس کے بعد ہم، بیجنگ کی ایک اور مشہور جامع مسجد دونگ سی (DONG SI) دیکھنے کیلئے گئے۔ یہ مسجد ۱۴۴۷ء (یعنی ساتویں صدی ہجری میں) تعمیر ہوئی تھی، آگے کی محراب پتھر کی بنی ہوئی ہے، اور تعمیر خاصی پرانی ہے۔ باقی ساری مسجد صنوبر کی لکڑی سے اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس میں ایک بھی لوہے کی میخ استعمال نہیں ہوئی۔ طرز تعمیر ٹھیٹھ چینی انداز کا ہے جو چینی بادشاہوں کے منگ خاندان کے زمانے میں رائج تھا۔ لکڑیوں کی مضبوطی اور اس پر آب زر سے بنائے ہوئے نقش و نگار بہت خوبصورت ہیں، اور تقریباً ۵۰۰ سال گذرنے کے باوجود ان کی آب و تاب سے ایسا لگتا ہے جیسے یہ مسجد بھی تیار ہوئی ہے۔

مسجد کے ساتھ ملحق دو کتب خانے ہیں جس میں مطبوعات اور مخطوطات کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے، اس میں

قرآن کریم کا ایک نہایت خوبصورت نسخہ ہے جو ۱۸۰۸ء میں لکھا گیا تھا۔ لکھنے والے کا نام محمد بن احمد بن عبدالرحمن السرائی درج ہے۔ تقریباً سات سو سال گذرنے کے باوجود لکھائی اتنی صاف، واضح اور روشن ہے کہ آجکل مطبوعہ کتابوں میں بھی ایسی کتابت ملنی مشکل ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی عربی، فارسی اور چینی زبان کی دینی کتابوں کے بڑے نادر مخطوطات موجود ہیں، جن میں تفسیر جلالین، اشعۃ اللمعات، شرح عقائد، مقامات حریری، شرح جامی، شرح وقایہ، فصوص الحکم کے مخطوطات بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مطبوعات میں علامہ شامیؒ کی رد المحتار، البحر الرائق کے بھی کئی کئی نسخے نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انقلاب چین سے پہلے کوئی بڑا دار العلوم رہا ہوگا جس کی یہ کتابیں حوادثِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ بھی ہے جو ۱۹۸۳ء میں قائم ہوا تھا، اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد اور تاریخ اسلام کا ویسا ہی پانچ سالہ نصاب پڑھایا جاتا ہے جیسا چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے مرکزی انسٹی ٹیوٹ میں پڑھایا جاتا ہے۔ اگلے سال اس میں ایک نئی جماعت بھی شروع کرنے کا پروگرام ہے۔

مسجد کے امام شیخ صالح ایک معمر بزرگ ہیں جو بیجنگ کی مقامی اسلامک ایسوسی ایشن کے صدر بھی ہیں، مسجد میں ہمارا خیر مقدم انہوں نے ہی کیا، اور اپنی تقریر میں بتایا کہ بیجنگ شہر میں ایک لاکھ اسی ہزار مسلمان آباد ہیں، اور مساجد کی تعداد ۴۶ ہے۔ بہت سی مسجدیں جو ثقافتی انقلاب کے دور میں بند کردی گئی تھیں، اب کھول دی گئی ہیں، ان کی مرمت اور تعمیر نو کی گئی ہے، اور اب مسلمان اطمینان کے ساتھ اپنی عبادات انجام دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان ۴۶ بڑی مسجدوں کے علاوہ بعض چھوٹی چھوٹی مسجدیں اور بھی ہیں۔

اس موقع پر بیجنگ کی متعدد مساجد کے ائمہ حضرات بھی موجود تھے، مدرسہ کے ایک طالب علم نے تجوید اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت بھی کی۔ احقر کے سوال پر ائمہ نے بتایا کہ ۵ سالہ نصاب کے مدارس کے علاوہ متعدد مساجد میں مکتب بھی قائم ہیں، اور اب ان کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا ہے۔

مسلمان ممالک کے جو سربراہ یہاں آتے ہیں، وہ عموماً نماز اسی مسجد میں پڑھتے ہیں، صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بھی اپنے دورہ چین کے موقع پر نماز جمعہ یہیں ادا کی تھی، ان کی طرف سے مسجد کو پیش کئے ہوئے تحائف، مثلاً قالین، اور کتبات وغیرہ یہاں نمایاں مقامات پر رکھے ہوئے ہیں جو امام صاحب نے ہمیں بطورِ خاص دکھائے۔

شہرِ ممنوعہ کی سیر:

شام ۳ بجے میزبانوں نے "شہرِ ممنوعہ" کی سیر کا پروگرام رکھا تھا جو بیجنگ شہر کے تاریخی عجائب میں سے ہے، یہ دراصل چین کے منگ خاندان کے بادشاہوں کا بنایا ہوا ایک وسیع و عریض قلعہ ہے جو عظیم الشان شاہی محلات پر مشتمل ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا قلعہ ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس قلعے کے تمام چھوٹے بڑے کمروں کی مجموعی تعداد نو ہزار نو سو ننانوے (۹۹۹۹) ہے۔ اسے شہر ممنوعہ اس لئے کہتے ہیں کہ بادشاہوں کے زمانے میں یہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع تھا۔ قلعے کے گرد ایک زبردست فصیل ہے، اور اس کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے سوا عالیشان محلات ہیں۔ ہر محل کے مرکزی حصے میں زمین سے تقریباً دو منزل کے برابر

کرسی دیگر ایک پُر شکوہ اور خوبصورت ہال صنوبر کی لکڑی سے بنا ہوا ہے، اس کے سامنے سیڑھیوں اور فواروں کے بعد وسیع و عریض صحن ہے، اور دائیں بائیں جانب کمروں کی ایک طویل قطار ہے۔

ایک محل میں کھڑے ہو کر قطعی اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے کوئی اور محل بھی ہے۔ لیکن مرکزی ہال کے کسی گوشے سے ایک چھوٹا سا راستہ نکلتا ہے جو دوسرے محل میں پہنچا دیتا ہے۔

ان سولہ محلات میں سے ہر ایک کے مرکزی ہال کا ایک الگ نام منگ بادشاہوں نے رکھا ہوا تھا، اور اس کا کوئی مخصوص مقصد مقرر کیا ہوا تھا۔ مثلاً پہلا ہال "ایوانِ ہم آہنگی" کے نام سے موسوم ہے، یہ ۱۴۲۰ء میں تعمیر ہوا تھا، یہ ساڑھے پینتیس میٹر اونچا ہے، اور ۲۳۷۷ مربع میٹر کے رقبے پر محیط ہے، یہاں منگ اور چنگ خاندان کے بادشاہ اہم تقریبات منعقد کرتے تھے۔ پوری عمارت صنوبر کی لکڑی کی بنی ہوئی ہے، اور چینی طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔

ایک اور ہال "ایوانِ تحفظ" کے نام سے موسوم ہے، ۱۴۲۰ء میں ہی تعمیر ہوا تھا، اور ۲۹ میٹر بلند اور ۱۲۴۰ مربع میٹر عریض ہے۔ اس ہال میں سفراء کا استقبال، اور شہزادوں کی میزبانی کی جاتی تھی، یہیں ایک شاہی امتحان بھی ہوا کرتا تھا جو اس دور میں اعلیٰ ترین تعلیم کی معراج سمجھی جاتی تھی۔

آجکل اس ہال میں ایک میوزیم ہے، جس میں عہد قدیم کے بہت سے برتن وغیرہ رکھے ہوئے ہیں، ایک دیگچی اور چاقو آٹھویں صدی قبل مسیح کا ہے، ایک نہایت خوبصورت منقش پیالہ جس کا حسن اور رونق آج بھی باقی ہے، گیارھویں صدی قبل مسیح کا ہے، درندوں کی ہڈی کی بنی ہوئی بعض آرائشی اشیاء، سولھویں صدی قبل مسیح کی ہیں۔

محلات کے صحن میں لوہے کے بنے ہوئے بڑے بڑے اگردان رکھے ہوئے ہیں جو بہترین صناعی کا نمونہ ہیں، جا بجا پیتل کے بڑے بڑے لگن آگ بجھانے کیلئے استعمال ہوتے تھے، جگہ جگہ سنگ تراشی کے عجیب و غریب نمونے نظر آتے ہیں، اس طرح سولہ محلات کے بعد ایک خوبصورت بائیں باغ ہے جس میں انواع و اقسام کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ ایک جگہ دو درخت چار پانچ فٹ کے فاصلے پر لگے ہیں، اور لگانے والے نے قدِ آدم بلندی پر ان دونوں کی آپس میں قلم اس طرح لگائی ہے کہ جڑ سے دونوں درخت جدا ہیں، لیکن قدِ آدم بلندی پر دونوں کے تنے آپس میں مل کر یکجان ہو گئے ہیں، اور ان کے باہم ملنے سے ایک خوبصورت محراب بن گئی ہے۔

ایک اور ہال بادشاہ کے دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اس میں بادشاہ کی کرسی اور اس کے سامنے کی تمام اشیاء اسی طرح سجی ہوئی ہیں جیسے وہ آج ہی یہاں سے اُٹھ کر گیا ہے۔

میں نے مختلف ملکوں میں بہت سے قلعے دیکھے ہیں، لیکن اپنی وسعت کے لحاظ سے یہ قلعہ اپنی نظیر آپ ہے، اور اس کی بیشتر خصوصیات آج بھی جوں کی توں محفوظ ہیں، اور اسے دیکھ کر اس مقولے کی صحت کا اندازہ ہوتا ہے کہ:

نزلت الحکمة ...... علی أیدی الصین

حکمت ..... چینیوں کے ہاتھ پر نازل ہوئی ہے۔

اسی روز رات کو پاکستان کے سفیر جناب انور بھٹی صاحب نے وفد کے اعزاز میں ایک عشائیے کا اہتمام کیا تھا جس میں، اسلامک ایسوسی ایشن کے عہدہ داران کے علاوہ برھان شہیدی صاحب، چین کی وزارتِ مذہبی امور کے ڈائریکٹر، اور وزارت خارجہ کے بعض اعلیٰ حکام بھی مدعو تھے، عشائیہ سفیر صاحب کے مکان پر تھا، یہ مکان بھی سفارت خانے کی طرح پاکستانی ماہرین کے نقشے

کے مطابق بڑی خوبصورتی سے تیار کیا گیا ہے، اور اس میں پاکستانی طرزِ تعمیر کی جھلک موجود ہے۔ اس عشائیہ میں پُر لطف گفتگو رہی، اور رات گیارہ بجے قیام گاہ واپسی ہوئی۔

دیوارِ چین:

۶ر نومبر کی صبح میزبانوں نے شہرۂ آفاق دیوارِ چین کی سیر کا پروگرام رکھا تھا۔ اس تاریخی عجوبے کو دیکھنے کا اشتیاق ہمیں بھی تھا۔ چنانچہ صبح ۸ بجے ہم اپنی رہائش گاہ سے تین کاروں میں روانہ ہوئے۔ ارکانِ وفد کے علاوہ چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے نائب سیکریٹری جنرل شیخ سلیمان، انجمن کے بعض دوسرے حضرات بھی ہم سفر تھے۔ بیجنگ یونیورسٹی میں اُردو کے استاذ مسٹر خوین جو ایک چینی غیر مسلم ہیں، لیکن اُردو بڑی روانی سے بولتے ہیں، اور اُردو کے ٹھیٹھ محاوروں اور ادبی اسالیب سے بھی حیرتناک حد تک آگاہ ہیں، اس پورے سفر میں ہماری ترجمانی اور رہنمائی کے لئے ہر وقت ہر لمحے ساتھ رہے، اور انہوں نے سفر کے ہر مرحلے میں ہمیں آرام پہنچانے اور ہماری ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، وہ ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ہمارے ساتھ تھے، اور ترجمانی و رہنمائی کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیتے رہے۔

دیوارِ چین کا جو حصہ عموماً سیاحت کیلئے استعمال ہوتا ہے، وہ درّہ نانکو کہلاتا ہے، اور ۵۰ - ۶۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے، بیجنگ کے مضافات سے باہر نکلنے کے بعد یہ راستہ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گذرتا ہے۔

دیوارِ چین کو چینی زبان میں چھانگ چھین (CHANG CHENG) کہا جاتا ہے۔ یہ دُنیا کی قدیم ترین اور طویل ترین فصیل ہے۔ اسکی تعمیر کا آغاز عہدِ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ اُس وقت چین میں طوائف الملوکی کا دور تھا، اور مختلف بادشاہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں، ان کے درمیان جنگ و پیکار کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ریاست کے سربراہوں نے اپنے اپنے علاقے کو دُشمن کے حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے فصیلیں بنانی شروع کیں، یہ فصیل کسی ایک شہر کے گرد نہیں، بلکہ پوری ریاست کے گرد یا اُس کے اُس حصے میں ہوتی تھی جس طرف سے دشمن کے حملے کا زیادہ خطرہ ہوتا تھا۔ اس طرح چین کے مختلف حصّوں میں کئی فصیلیں قائم ہو گئیں۔

۲۴۶ھ قبل مسیح چن شہ ہوانگ تی نے ان تمام ریاستوں کا ایک اتحاد قائم کیا، اس وقت چونکہ پورا ملک ایک ہو گیا، اسلئے ۲۲۸ھ قبل مسیح میں اس نے ان متفرق فصیلوں کو باہم ملا کر ایک طویل فصیل تعمیر کی جسکی تکمیل میں سالہا سال لگے، لیکن مکمل ہونے کے بعد یہ ایک ہزار پانچ سو میل لمبی فصیل بن گئی[^1] جو درّہ شان ہے سے درّہ یاؤ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب اسکے بہت سے حصّے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، بہت سے کھنڈر کی شکل میں باقی ہیں، اور بہت سے سرے سے ختم ہو گئے ہیں، لیکن اب بھی یہ چین کے متعدد صوبوں سے ٹوٹتی پھوٹتی گذرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بعد میں چین کے منگ خاندان نے (آج سے تقریباً ۵۰۰ سال پہلے) اس کی مرمت کی، بہت سی جگہوں پر اسے دوبارہ تعمیر کیا۔

---

[^1]: ہمارے رہنما نے دیوارِ چین کی لمبائی چھ ہزار کیلومیٹر بتائی تھی، لیکن یہ بیان مبالغہ آمیز ہے، عام طور سے کتابوں میں اسکا طول ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰ میل بیان کیا گیا ہے، یعنی تقریباً ڈھائی ہزار کیلومیٹر۔ (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۵ ص ۵۶۲ و ۵۴۲ - china, chines Architectandin مطبوعہ ۱۹۵۰ء)

درۂ نانکو (جہاں عموماً لوگ سیاحت کیلئے جاتے ہیں) پہنچنے سے کئی میل قبل ہی یہ دیوار پہاڑوں پر چڑھتی اترتی نظر آنے لگتی ہے۔ لیکن سیاحوں کیلئے منظر کے لحاظ سے قابلِ دید جگہ درۂ نانکو کی وہ وادی قرار دی گئی ہے جو ہر طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے، اور جہاں دیوارِ چین کے راستے میں یکے بعد دیگرے پانچ چھ پہاڑ آتے ہیں، یہ دیوار ہر پہاڑ پر چڑھتی، پھر وہاں سے اترتی ہے، اور پوری طرح محفوظ اور مستحکم ہے۔

دیوار ۱۳ فٹ چوڑی ہے، اور زمین سے اس کی اونچائی اوسطاً ۲۰ فٹ ہے، اور نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ اپنی اونچائی برقرار رکھتے ہوئے اترتی چڑھتی گئی ہے، قلعوں کی فصیل کی طرح اس میں جابجا برج اور کمین گاہیں بنی ہوئی ہیں جو اس دَور میں دفاعی چوکیوں اور دفاعی اطلاع رسانی کے مراکز کا کام کرتی تھیں، اس دیوار کا اصل مقصد شمال مغرب کی جانب سے منگولیوں اور بعض دوسرے قبائل کے حملوں کو روکنا تھا۔ اگر کسی برج کے محافظوں کو اپنی جانب سے دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تو وہ یہاں آگ جلاکر دھواں پیدا کردیتے، یہ دھواں دوسرے برج کے لوگوں کو نظر آتا تو وہ اپنے یہاں بھی دُھواں سلگا کر اپنے سے اگلی چوکی کو خبردار کردیتے تھے، رات کے وقت دھوئیں کا کام آگ سے لیاجاتا تھا۔

ہم نے سامنے کی تین پہاڑیوں کی اونچائی اس فصیل پر چلتے ہوئے طے کی، یہاں سردی شدید اور ہوا تیز تھی، جو دھوپ صاف ہونے کی بنا پر بحمداللہ قابلِ برداشت رہی، ورنہ سُنا گیا ہے کہ سردی کے موسم میں یہاں خون منجمد ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ اس فصیل سے نہ صرف وادی کا، بلکہ بل کھاتی ہوئی فصیل کے دوسرے حصوں کا منظر بھی بڑا خوشنما ہے، تیسری پہاڑی پر پہنچتے پہنچتے سانس جواب دینے لگتا ہے، اور واپسی پر اُترائی اُس سے زیادہ صبر آزما اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ ڈھلان پر زمین کی کشش کی شدت سے بعض اوقات چکر سا آنے لگتا ہے۔ اور جو لوگ فصیل کے کناروں پر لگے ہوئے لوہے کے سہارے کے بغیر اُترتے ہیں، وہ بعض اوقات توازن قائم نہ رکھنے کی بنا پر گر بھی جاتے ہیں۔

دیوار کی چوڑائی اور اونچائی کوئی ایسی غیر معمولی نہیں، قلعوں کی فصیلیں اس سے زیادہ بھی اونچی اور چوڑی ہوتی ہیں، لیکن ڈیڑھ ہزار میل لمبی ہونے کی بنا پر یہ دنیا کے عجائب میں شمار ہوتی ہے۔ پھر اگر یہ علاقہ میدانی اور ہموار ہوتا تو شاید اتنی قابلِ تعجب بات نہ ہوتی، حیرتناک بات یہ ہے کہ چین کے بیشتر علاقوں کی طرح یہ سارا علاقہ بھی پہاڑیوں سے معمور ہے۔

بہرکیف! دنیا کے اس مشہور عجوبے کی سیر بڑی پُرلطف رہی۔

منگ مقبرے:

دیوارِ چین سے واپسی پر ہمارے میزبان ہمیں بیجنگ کی ایک اور تاریخی جگہ لے گئے، یہ علاقہ "منگ مقبرے" (MING TOMBS) کہلاتا ہے، اور اس میں چین کے منگ خاندان کے بارہ بادشاہوں کے وہ مقبرے ہیں جو ہر بادشاہ نے اپنے لئے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کئے تھے۔

اُس دَور کے بادشاہوں کو یہ خبط تھا کہ مرنے کے بعد بھی وہ بادشاہ ہی رہیں، اور ان کا مال و دولت اور حشم و خدم بھی ان کے ساتھ ہی مقبرے میں جائے۔ اس خبط کے نتیجے میں بعض شاہی خاندانوں میں یہاں تک رواج رہا کہ ان کے ساتھ ان کے محبوب غلام اور کنیزیں بھی تابوت میں دفن کردی جاتی تھیں، بعد میں یہ انسانیت سوز طریقہ تو ختم ہوا، لیکن بادشاہ کے ساتھ ڈھیروں سونا چاندی، جواہر، کپڑے، کھانے پینے کی اشیاء اور اس قسم کی دوسری چیزیں مقبرے ہی میں رکھدی جاتی تھیں، ایک

تابوت بادشاہ کا ہوتا تو درسیوں تابوت ان اشیائے کے ہوتے، اسکے علاوہ مقبرے میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر اور برتن بھی رکھے جاتے تھے گویا بادشاہ کی حکومت اب زیرِ زمین چلی گئی ہے۔

لیکن اس طریقے میں خطرہ یہ تھا کہ یہ بیش قیمت سامان کوئی مقبرے سے اٹھا کر نہ لیجائے، دوسرے خاندانی عداوتوں کی بنا پر یہ اندیشہ بھی رہتا تھا کہ کسی بادشاہ کی لاش کو کوئی دشمن اٹھا نہ لیجائے۔ لہٰذا ہر بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ اس طرح تعمیر کرتا تھا کہ سطحِ زمین پر ایک عالیشان عمارت ہو، لیکن مقبرہ زیرِ زمین ہو، جس میں اسکا تابوت رکھا جائے، اس زیرِ زمین مقبرے کا راستہ سوائے اُس بادشاہ اور اُس کے چند ہم رازوں کے کسی اور کو معلوم نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ جب اسکا انتقال ہوتا تو اس کا تابوت، اور زر و جواہر وغیرہ کے تابوت اُس خفیہ راستے سے زیرِ زمین مقبرے میں پہنچا دیئے جاتے، اس کے بعد جو لوگ بادشاہ کی قبر پر آنا چاہتے وہ سطحِ زمین کی عمارت پر خراجِ عقیدت ادا کرکے چلے جاتے، اصل تابوت تک کسی کی رسائی نہ ہوتی۔

اس طریقِ کار کے تحت اس علاقے میں بارہ بادشاہوں کے مقبرے ہیں، جن کی علامتی عمارتیں سطحِ زمین پر موجود ہیں، لیکن ان کے زیرِ زمین مقبروں کا راستہ آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف ایک بادشاہ چو ای جن (جسکا لقب وان لی ہے) کا زیرِ زمین مقبرہ اٹھائیس سال پہلے دریافت ہو سکا ہے۔

اور یہ دریافت بھی اس طرح ہوئی کہ وان لی کے مقبرے کی سطحی عمارت سے کافی فاصلے پر کچھ کھیت تھے، ۱۹۵۶ء میں ایک کاشتکار کو ہل چلاتے ہوئے زمین میں کسی کتبے کی شکل کے پتھر کے آثار نظر آئے، اس کتبے پر زیرِ زمین مقبرے تک پہنچنے کیلئے ایک خاص سمت میں زمین کھودنے کی ہدایات تھیں، وہاں تک کھُدائی کی گئی تو ایک اور کتبہ ملا جس میں مزید ہدایات دی گئی تھیں، ان ہدایات کے مطابق کھُدائی کرتے کرتے مقبرے کا دروازہ برآمد ہو گیا، اس دروازے کو کھولنے کا طریقہ بھی خفیہ نوعیت کا تھا، بہر صورت! یہ دروازہ کھلا تو اندر ایک عظیم الشان ہال نظر آیا جس میں بادشاہ کا تابوت رکھا ہوا تھا۔

ہم وان لی کے مقبرے کی سطحی عمارت سے کافی دُور چل کر کھیتوں میں پہنچے تو وہاں نیچے جانے کیلئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں اترنا شروع کیا تو ۱۴۰-۱۴۴ سیڑھیوں کے ایک درجن کے قریب زینے طے کرنے پڑے۔ اس کے بعد اندرونی مقبرے کا دروازہ نظر آیا۔ اس دروازے کے دونوں کواڑ ٹنوں وزنی پتھر کے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا کواڑ ایک ہی پتھر ہے، بہت سے آدمی مِل کر بھی دروازے کو سرکا نہیں سکتے، ہاں اس میں کچھ عجیب و غریب قسم کی کلیں لگی ہوئی ہیں، جنہیں دروازہ کھولنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہوگا۔ دروازے میں داخل ہونے کے بعد ایک شاندار ہال سامنے آتا ہے جو ۸۷ء۳۴ (ستاسی اعشاریہ چونتیس) میٹر لمبا ہے۔ ہال کا مجموعی رقبہ ۱۱۹۵ مربع میٹر ہے، اور یہ تین حصوں پر منقسم ہے۔ ایک حصے میں بادشاہ کا دیو ہیکل تابوت اور اسکے ارد گرد نسبۃً چھوٹے بہت سے تابوت رکھے ہیں جن میں زر و جواہر وغیرہ بھرے گئے تھے، دوسرے حصے میں پتھر کی بنی ہوئی کرسیاں، تخت، بڑے بڑے لگن وغیرہ رکھے ہوئے ہیں، اور تیسرا حصہ خالی ہے۔ یہاں ایک بورڈ نصب ہے جس پر لکھا ہے کہ اس ہال کی تعمیر کا آغاز ۱۵۸۴ء میں ہوا، یہ چھ سال میں مکمل ہوا، اور اس کی تعمیر میں ۴ لاکھ کیلو گرام چاندی خرچ ہوئی۔

ہال کے اس حصے کے ختم پر باہر نکلنے کیلئے سیڑھیاں بنائی ہوئی ہیں جو مقبرے کی سطحی عمارت پر جا کر ختم ہوتی ہیں، یہاں پر یہ سیڑھیاں داخلے کی سیڑھیوں سے کافی کم یعنی ۱۱۵ سیڑھیاں ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ فنِ تعمیر کے نقطۂ نظر سے یہ "منگ مقبرے" ایک تاریخی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن دیدۂ

بنا ہو تو دراصل یہ عجیب و غریب عبرت گاہ ہے۔ جو لوگ تعمیر اور سنگتراشی میں اس حیرت انگیز ذہانت، دیدہ ریزی اور مہارت و صناعی کا ثبوت دے سکتے ہیں، وہ اتنی سامنے کی حقیقت تک سے جاہل تھے کہ مرنے کے بعد زر و جواہر کے یہ انبار مرنے والے کے لئے مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ بے قیمت ہیں۔ جو لوگ حملہ آوروں کے دفاع کیلئے دیوار چین، اور شہر ممنوعہ تعمیر کر سکتے تھے، وہ موت کے حملے کو روکنے کیلئے کوئی دیوار کھڑی نہ کر سکے، اُن کی پُرشکوہ فصیلیں بھی ملک الموت کا راستہ نہ روک سکیں، انجام اُن کا بھی وہی ہوا جو ایک بے سروسامان مزدور اور ایک بے وسیلہ کسان کا ہو سکتا تھا۔ اس حقیقت کے تصور سے اپنے ہی یہ اشعار یاد آگئے ؎

جو مرکزِ الفت تھے، جو گلزارِ نظر تھے — سڑتے ہیں تہِ خاک وہ اجسامِ بُتاں آج
وہ دبدبہ جن کا تھا کبھی دشت و جبل میں — وہ تاجِ سکندر رہے، نہ وہ تختِ کیاں آج
وہ جن کے تہوّر سے دہلتی تھیں زمینیں — ڈھونڈے سے بھی اُنکا کہیں ملتا ہے نشاں آج
تھیں جنکی جھلاجھل سے چکاچوند نگاہیں — عبرت کے کھنڈر ہیں وہ محلاتِ شہاں آج
جن باغوں کی نکہت سے معنبر تھیں فضائیں — ہے مرثیہ خواں اُن پہ ہوؤں کی زباں آج

گریٹ ہال میں ضیافت:

اسی روز شام کو ۵ بجے چین کے وزیر اقلیتی اقوام مسٹر ابراہیم یان جینگ زین سے گریٹ ہال میں ملاقات کا پروگرام تھا۔ یہ خود مسلمان ہیں، اور صوبہ کانسو سے تعلق رکھتے ہیں، چین کی حکومت میں ان کو بڑا سینئر مقام حاصل ہے، اقلیتی قومیتوں کے امور کے مرکزی وزیر ہونے کے علاوہ چین کی سیاسی مشاورتی کمیٹی کے وائس چیئرمین بھی ہیں۔

ٹھیک ۵ بجے ہم گریٹ ہال پہنچے، جو نئے چین کی تعمیرات میں مشہور اور ممتاز عمارت ہے، اور پیپلز اسکوائر (تھیان آن من) کے کنارے واقع ہے۔ یہ عمارت چین کا پارلیمنٹ ہاؤس بھی ہے، اس میں وزراء کے چیمبر بھی ہیں، ہر صوبے کے ارکان پارلیمنٹ کیلئے الگ الگ ہال بھی ہیں جس میں وہ باہم مشورے کر سکیں، غرض کمروں اور ہالوں کا ایک جہان ہے، اور مشہور یہ ہے کہ اس کا مرکزی ہال دُنیا کا سب سے بڑا ہال ہے جس کے بیچ میں کوئی ستون نہیں، اور اتنا بڑا ہے کہ اس میں فٹبال کھیلی جا سکتی ہے۔

اسی عمارت کے ایک حصے میں مسٹر ابراہیم یان جینگ زین نے وفد کا استقبال کیا، یہاں پاکستانی سفارت خانے کے منسٹر بھی ملاقات میں شامل ہونے کیلئے پہنچ گئے تھے۔ مسٹر ابراہیم یان جینگ زین نے اس معاملے میں خاص طور پر حکومتِ پاکستان کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے چینی حجاج کو حجازِ مقدس بھیجنے کا انتظام کیا ہے، اور اسکے ذریعہ امسال دو ہزار حجاج نے فریضۂ حج ادا کیا، اور اس دوران پاکستانی حکومت اور عوام نے چینی مسلمانوں کا بڑا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور انکی بہترین میزبانی کی۔ ان سے رسمی گفتگو کے بعد احقر نے چینی مسلمانوں کے ساتھ مزید تعاون کیلئے تین تجاویز پیش کیں کہ اگر چین کی حکومت ان امور میں:

(۱) چینی مسلمان کچھ نوجوانوں کو تیار کر کے اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کیلئے پاکستان بھیجیں تو ہم اپنے دینی تعلیم کے معیاری اداروں میں ان کی مکمل تعلیم، قیام و طعام اور جملہ ضروریات کی کفالت کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اس طرح چینی مسلمانوں میں اچھے معیار کے علماء تیار ہو سکیں گے جو اپنے اپنے علاقوں میں دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) دینی علوم کے پانچ سالہ نصاب کے جو چند مدارس بیجنگ، کانسو وغیرہ میں قائم ہیں، ان میں تدریس کیلئے پاکستان سے زائر اساتذہ (Visiting Lecturers) کا انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) چین میں اسلامی علوم کی جن کتابوں کی ضرورت ہو، ہم پاکستان سے اپنے چینی مسلمان بھائیوں کے لئے انہیں بھیجنے کا انتظام بھی کر سکتے ہیں۔

جناب ابراہیم بان چینگ ژین نے اس پیشکش کا شکریہ کے ساتھ خیر مقدم کیا، اور کہا کہ ان امور کی عملی تفصیلات کیلئے متعلقہ حکام آپ کے سفارتخانے کی وساطت سے آپ سے رابطہ پیدا کریں گے۔

مغرب کے بعد جناب ابراہیم نے گریٹ ہال ہی کے ایک حصے میں وفد کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا تھا۔ لیکن انہیں اچانک ایک دوسری سرکاری ملاقات کیلئے جانا پڑ گیا، اس لئے وہ محکمہ مذاہب کے ڈائریکٹر جنرل کو (جنہیں چین کا وزیر مذہبی امور کہنا چاہیئے) اپنی نمائندگی کیلئے چھوڑ کر خود چلے گئے۔ عشائیہ کے دوران ان سے مذکورہ امور کی عملی تفصیلات کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ (باقی آئندہ)

محمد تقی عثمانی

تاریخ الانساب

(حضرت آدمؑ سے عہدِ صحابہؓ تک)

کتابُ المعارف

ابن قتیبہؒ

ابتدائے آفرینشِ عالم سے انتہائی پہلی صدی ہجری تک کے تمام ممتاز انبیاء و رسلؑ، آلِ رسولؐ و اہلِ بیت رسولؐ، نیز ہزاروں صحابہؓ کے پاکیزہ حالات اور نسب ناموں پر مشتمل نہ صرف تاریخی دستاویز بلکہ ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

ترجمہ :- سلام اللہ صدیقی

تصحیح و تزئین :- صاحبزادہ حافظ حقانی میاں قادری

بہترین کتابت و طباعت ● قیمت ۳۶/- روپے

پاک اکیڈمی مسجد باب الاسلام دکان نمبر ۔ آرام باغ کراچی ۱

کتابُ المعارف ابن قتیبہؒ ترجمہ : سلام اللہ صدیقی پاک اکیڈمی آرام باغ، کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

کیا حضرت الیاس حیات ہیں؟

معارف القرآن ★ سورۃ الصّٰفّٰت ★ آیت ١٢٣ تا ١٣٢

خُلاصہ تفسیر

اور الیاس (علیہ السلام) بھی (بنی اسرائیل کے) پیغمبروں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا واقعہ ذکر کیجیئے) جبکہ انہوں نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے (کہ وہ بُت پرستی میں مبتلا تھی) فرمایا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو (جو ایک بُت کا نام تھا) پوجتے ہو اور اس (کی عبادت) کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھکر بنانے والا ہے (کیونکہ اور لوگ تو صرف بعض اشیاء کی تحلیل و ترکیب پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ بھی عارضی، اور وہ تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لانے پر قدرتِ ذاتی رکھتا ہے، پھر کوئی دوسرا جان نہیں ڈال سکتا اور وہ جان ڈالتا ہے اور وہ) معبود برحق ہے (اور) تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے سو ان لوگوں نے (اس توحید کے دعوے میں) اُن کو جھٹلایا، سو (اس جھٹلانے کی شامت میں) وہ لوگ (عذاب آخرت میں) پکڑے جاویں گے، مگر جو اللہ کے خاص بندے (یعنی ایمان والے) تھے (وہ ثواب وا جر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں (مدتہائے دراز کے لئے) یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر (کہ یہ بھی الیاس علیہ السلام کا نام ہے) سلام ہو، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (کہ ان کو ثناء اور دُعا کا مستحق بناتے ہیں) بیشک وہ ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں سے تھے۔

معارف ومسائل

حضرت الیاس علیہ السلام ان آیات میں چوتھا واقعہ حضرت الیاس علیہ السلام کا بیان کیا گیا ہے، آیات کی تفسیر سے قبل حضرت الیاس علیہ السلام سے متعلق چند معلومات درج ذیل ہیں:۔

قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک سورہ انعام میں اور دوسرے سورہ صافات کی انہی آیتوں میں، سورۂ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کر دیا گیا ہے اور کوئی واقعہ مذکور نہیں، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت و تبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاسؑ کے حالات تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات آئے ہیں، اس لئے آپ کے بارے میں کتب تفسیر کے اندر مختلف اقوال اور متفرق روایات ملتی ہیں، جن میں سے بیشتر بنی اسرائیل کی روایات سے ماخوذ ہیں۔

مفسرین میں سے ایک مختصر گروہ کا کہنا یہ ہے کہ "الیاس" حضرت ادریس ہی کا دوسرا نام ہے اور ان دونوں شخصیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے (درمنثور ص ۲۸۵، ۲۸۶ ج ۵) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کا اس طرح جُدا جُدا تذکرہ فرمایا ہے کہ دونوں کو ایک قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی، اسی لئے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ دونوں الگ الگ رسول ہیں (البدایہ والنہایہ، ص ۳۳۹ ج ۱)

بعثت کا زمانہ اور مقام قرآن وحدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصّوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصّہ یہوداہ یا یہودیہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایۂ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا، حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام بائبل میں اخی اب اور عربی تواریخ و تفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بُت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنو اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے

دیکھیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۵۳، ج ۲۳ و ابن کثیر ص ۱۹ ج ۴ و تفسیر مظہری ص ۱۳۴ ج ۸ اور بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۶ - ۲۹ تا ۳۳ و ۱۷ : ۱)

قوم کے ساتھ کشمکش ا دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے اس لئے اس نے اس کشمکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی ہے جو عبرت و موعظت حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے اُن کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا،

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروّجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے مبسوط تذکرہ تفسیر مظہری میں علّامہ بغویؒ کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہؒ اور کعب الاحبارؒ وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں جو اکثر اسرائیلی روایات نقل کرتے ہیں،

ان تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دُعا فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں، تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ اُن کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انھیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا،

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخی اب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے، میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں۔ تم ایک دن ان سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ آکر بھسم کر دے گی، اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا،

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھ کو جزاءِ خیر دے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں، مجھ کو میرے محبوب کے ساتھ ہمراز کردیا۔

سیر الی اللہ کا مطلب:

فرمایا اصطلاح میں سیر الی اللہ کا مطلب مقامات کو حاصل کرنا ہے جس کا دوسرا عنوان اخلاق کی درستی، صبر، توکل اور رضا وغیرہ ہیں۔

سیر فی اللہ کا مطلب:

فرمایا سیر فی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بعد درستگی، اُس میں تبحر پیدا کرنا جس کو حالات بھی کہتے ہیں اُس کی بعینہٖ مثال یہ ہے کہ جیسے درسیات پڑھنا، پھر پڑھنے کے بعد اس میں تبحر پیدا کرنا۔

صحابی بننے کی دو شرطیں:

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متمثل ہوسکتے ہیں، مگر اس وقت ملاقات کرنے والا صحابی نہیں ہوگا، کیونکہ صحابی بننے کیلئے دو چیزیں شرط ہیں، ایک تو جسمِ ناسوتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے، اور یہ جسم مثالی ہے، دوسرے اتحادِ زمانہ تبلیغ ہو۔

حضرت حواء کی قبر:

فرمایا حضرت حوا علیہا السلام کی قبر مکہ میں پہاڑ ابوقبیس کے پاس ہے۔

برکتِ اعمال:

فرمایا، اعمال کی برکت سے دل میں نور پیدا ہوجاتا ہے، فرمایا نامحرم عورت کی آواز سننے سے بچنا چاہیئے، خصوصاً رونے سے، فرمایا افعال کے خواص ہیں اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔

وسیع النظر:

فرمایا، وسیع النظر آدمی ڈھیلا ہوتا ہے، اس کی نظر سب طرف ہوتی ہے۔

تبلیغ کون کرے:

فرمایا حق یہ ہے کہ تبلیغ وہ کرے جو اپنی اصلاح کرچکا ہو، تبلیغ میں رعایت بدوں اسکے نہیں ہوسکتی۔

فرمایا غم میں قصداً (سوچ سوچ کر) رونا ممنوع ہے۔

فرمایا صحبتِ نیک بڑی دولت ہے۔

صدقہ اور ہدیہ کا فرق:

فرمایا صدقہ میں محض ثواب اور ہدیہ میں ثواب اور تطییب قلب دونوں مقصود ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ صدقہ اگر کسی محل میں صرف کیا جائے اور واپس آجائے تو دوسری جگہ صرف کیا جاتا ہے، اور ہدیہ میں یہ نہیں ہوتا، اگر واپس ہوجائے تو خود صرف کرلیتے ہیں۔

خلوص کی علامت:

فرمایا کسی کام میں خلوص کی علامت یہ ہے کہ اس سے اچھا کام کرنے آجائے تو یہ کام چھوڑ دے۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا تقویٰ:

فرمایا مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ دیوبند کے دوات و قلم سے کوئی (ذاتی) خط لکھتے تھے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ (مدرسہ میں) دیتے تھے۔

فرمایا مسلمان جب تک دین کی حفاظت نہ کرے، اس کو دُنیا کی فلاح کبھی بھی نہ ہوگی۔

اصل مقصود:

فرمایا اصل مقصود اعمالِ ظاہری اور باطنی پر اخلاص کے ساتھ مداومت کرنا ہے۔

حکیم ہونے کا معیار:

فرمایا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو، فقیہہ بھی ہو اور محدث بھی ہو۔

خوشگوار دُنیا:

فرمایا خوشگوار دُنیا دین ہی کے ساتھ میسر ہوتی ہے، مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دُنیاوی ترقی نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔

تصانیف حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ

معارف مثنوی — ۶۴ روپے
کشکول معرفت — ۶۰ روپے
روح کی بیماری حصّہ اوّل — ۲۷ روپے
معارف شمس تبریز — ۳۹ روپے
روح کی بیماری حصّہ دوئم — ۲۴ روپے
معرفتِ الٰہیہ — ۵۴ روپے
دنیا کی حقیقت — ۲۱ روپے
مجالسِ ابرار حصّہ اوّل — ۲۷ روپے
ملفوظات شاہ عبد الغنی پھولپوری — ۱۲ روپے
مجالسِ ابرار حصّہ دوئم — ۲۴ روپے
صدائے غیب — ۱۰ روپے
رسول اللہ کی سنتیں — ۶ روپے
صحبتِ اہل اللہ اور اسکے فوائد — ۷/۵۰ روپے
دستور تزکیہ نفس — ۳ روپے

کتب خانہ مظہری کراچی

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی — مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھ کو جزاءِ خیر دے کہ تونے میری آنکھیں کھول دیں، مجھ کو میرے محبوب کے ساتھ ہمراز کردیا۔

سیرالی اللہ کا مطلب:

فرمایا اصطلاح میں سیرالی اللہ کا مطلب مقامات کو حاصل کرنا ہے جس کا دوسرا عنوان اخلاق کی درستی، صبر، توکل اور رضا وغیرہ ہیں۔

سیر فی اللہ کا مطلب:

فرمایا سیر فی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بعد درستگی، اُس میں تبحر پیدا کرنا جس کو حالات بھی کہتے ہیں اُس کی بعینہٖ مثال یہ ہے کہ جیسے درسیات پڑھنا، پھر پڑھنے کے بعد اس میں تبحر پیدا کرنا۔

صحابی بننے کی دو شرطیں:

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متمثل ہوسکتے ہیں، مگر اس وقت ملاقات کرنے والا صحابی نہیں ہوگا، کیونکہ صحابی بننے کیلئے دو چیزیں شرط ہیں، ایک تو جسم ناسوتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے، اور یہ جسم مثالی ہے، دوسرے اتحادِ زمانہ تبلیغ ہو۔

حضرت حواء کی قبر:

فرمایا حضرت حواء علیہا السلام کی قبر مکہ میں پہاڑ ابو قبیس کے پاس ہے۔

برکتِ اعمال:

فرمایا، اعمال کی برکت سے دل میں نور پیدا ہوجاتا ہے، فرمایا نامحرم عورت کی آواز سننے سے بچنا چاہیئے، خصوصاً رونے سے، فرمایا افعال کے خواص ہیں اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔

وسیع النظر:

فرمایا، وسیع النظر آدمی ڈھیلا ہوتا ہے، اس کی نظر سب طرف ہوتی ہے۔

تبلیغ کون کرے:

فرمایا حق یہ ہے کہ تبلیغ وہ کرے جو اپنی اصلاح کرچکا ہو، تبلیغ میں رعایت بدوں اسکے نہیں ہوسکتی۔

فرمایا غم میں قصداً (سوچ سوچ کر) رونا ممنوع ہے۔

فرمایا صحبتِ نیک بڑی دولت ہے۔

صدقہ اور ھدیہ کا فرق:

فرمایا صدقہ میں محض ثواب اور ہدیہ میں ثواب اور تطییب قلب دونوں مقصود ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ صدقہ اگر کسی محل میں صرف کیا جائے اور واپس آجائے تو دوسری جگہ صرف کیا جاتا ہے، اور ہدیہ میں یہ نہیں ہوتا، اگر واپس ہوجائے تو خود صرف کرلیتے ہیں۔

خلوص کی علامت:

فرمایا کسی کام میں خلوص کی علامت یہ ہے کہ اس سے اچھا کام کرنے آجائے تو یہ کام چھوڑ دے۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا تقویٰ:

فرمایا مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ دیوبند کے دوات وقلم سے کوئی (ذاتی) خط لکھتے تھے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ (مدرسہ میں) دیتے تھے۔

فرمایا مسلمان جب تک دین کی حفاظت نہ کرے، اس کو دنیا کی فلاح کبھی بھی نہ ہوگی۔

اصل مقصود:

فرمایا اصل مقصود اعمالِ ظاہری اور باطنی پر اخلاص کے ساتھ مداومت کرنا ہے۔

حکیم ہونے کا معیار:

فرمایا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو، فقیہ بھی ہو اور محدث بھی ہو۔

خوشگوار دُنیا:

فرمایا خوشگوار دُنیا دین ہی کے ساتھ میسر ہوتی ہے، مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دُنیاوی ترقی نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔

تصانیف حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

معارف مثنوی (۶۴ روپے)
کشکول معرفت (۶۰ روپے)
روح کی بیماری حصہ اوّل (۲۷ روپے)
معارف شمس تبریز (۳۹ روپے)
روح کی بیماری حصہ دوم (۲۴ روپے)
معرفت الٰہیہ (۵۴ روپے)
دنیا کی حقیقت (۲۱ روپے)
مجالس ابرار حصہ اوّل (۲۷ روپے)
ملفوظات شاہ عبد الغنی پھولپوری (۱۲ روپے)
مجالس ابرار حصہ دوم (۲۴ روپے)
صدائے غیب (۱۰ روپے)
رسول اللہ کی سنتیں (۶ روپے)
صحبتِ اہل اللہ اور اسکے فوائد (۷/۵۰ روپے)
دستور تزکیۂ نفس (۳ روپے)

کتب خانہ مظہری کراچی

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

یہ مبارک مجلس جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کیلئے منعقد کی گئی جس میں سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر متعدد مقالات وافکار پیش ہوں گے۔ مجلس اس لحاظ سے اپنی نوعیت کی منفرد مجلس ہے کہ اس میں تمام ممالک اسلامیہ کے علماء فضلاء اور زعماء اور دانشور اسی مقصد کیلئے جمع ہوئے ہیں، اس مقدس مجلس کا موضوع کلام رسول کریم کی سیرت طیبہ ہے جس میں کسی کو حصہ مل جانا دین ودنیا کی بڑی سعادت ہے ؎

جامی ازاں لب سخن آغاز کرد
شد تعیش جامی شیریں مقلل

اور اُس پر مقالات لکھنے، پڑھنے والے اطراف عالم کے ممتاز علماء وفضلاء موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مجلس میں دُنیا کے بہتر سے بہتر مقالے پیش ہوں گے۔ اس احقر نے بھی اپنی بساط کے مطابق ایک مقالہ "پیغمبر امن وسلامت" کے عنوان سے لکھ لیا تھا مگر باوجود اختصار کے وہ ایسا مختصر نہ رہا کہ اس مجلس کے تھوڑے وقت میں پیش کیا جاسکے۔

اس لئے مقالہ کو چھوڑ کر میں حاضرین مجلس اور اعضاءِ مؤتمر حضرات کی خدمت میں ایک دردمندانہ گذارش پر اکتفاء کرتا ہوں۔ جو قرآن کریم کی ایک آیت سے ماخوذ ہے یعنی لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ومقالات پڑھنے اور سُننے کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے حالات ومقالات کو عام دُنیا کے بادشاہوں، فلاسفروں، دانشوروں کی سوانح عمری کے طور پر ایک تاریخ اور سوانح نہ سمجھا جائے۔

بلکہ سیرت طیبہ درحقیقت ایک عملی قرآن کا نام ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات ہوئی ہیں وہ ایک صبغۃ اللہ خدائی رنگ ہلتے ہے جس میں پوری دنیا کو رنگنے کے لئے آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ یہ وہ صبغۃ اللہ ہے جس کی معجزانہ تاثیرات نے بڑی بڑی طاقتوں کے مقابلے اور ہزاروں مخالفتوں کے نرغہ میں رہتے ہوئے

عرب کے امیوں کی وہ کایا پلٹ کی کہ جنگجو ظلم و ستم کے عادی ڈاکوؤں کو امن عالم کا بہترین علمبردار بنا دیا، بدوؤں کو علم و حکمت کا معلم بنا دیا۔ بے حیاؤں کو عفت و عصمت اور شرم کا پیکر بنا دیا۔

صرف تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں پورے جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد انسان مرد و عورت چھوٹے بڑے اس رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ اُن کو دیکھنے والوں پر پہلی نظر میں یہ رنگ چڑھنے لگتا تھا۔ ان کی یہ شان تھی الذین اذا رأو ذکر اللہ یعنی جب اُن پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کے واقعات بیشمار ہیں کہ دنیا کے اطراف میں جب اس نرالے رنگ کے مسلمان کسی سلسلہ تجارت، مزدوری میں بھی کہیں پہنچ گئے تو وہاں کے لوگ ان کے حالات و معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ مالیبار میں اسلام کے پھیلنے کی تاریخ یہی ہے وہاں کوئی تبلیغی مشن نہیں گیا تھا نہ کوئی بڑی کانفرنس منعقد ہوئی چند تاجر مسلمان اور چند مزدور پہنچے تھے، معاملات میں اُن کی صفائی سچائی اور عصمت و عفت کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر لوگ مشرف با سلام ہوئے۔ اُن سے پوچھا گیا تمھارا مذہب سکھنا ہے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دیا۔

یہی وہ صبغۃ اللہ ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، طاعت و عبادت، حسن معاملہ، حسن اخلاق، حسن صورت، حسن سیرت، حسن معاشرت، عدل و انصاف، رحم و کرم، عفت و عصمت دیانت و متانت کے ہر ہر حرکت و سکون سے مترشح ہوتا تھا۔

صحابۂ کرامؓ جن پر یہ رنگ بلا واسطہ اور سب سے پہلے چڑھا اُن کی پوری زندگیاں سیرت رسولؐ کے رنگ کا نمونہ تھیں اُن کی بیشتر مجلسیں اور باہمی ملاقات و گفتگو اسی سیرت کا رنگ تازہ اور قوی کرنے کے لئے ہوتی تھیں۔ حضرت ابوالدرداء صحابی رضی اللہ عنہ اپنی حکیمانہ تعلیمات کی بنا پر صحابہ کرامؓ میں حکیم الامت کا لقب رکھتے تھے۔ ان سے خود دوسرے صحابہؓ یہ کہا کرتے تھے۔

اجلس بنا نؤمن ساعۃ تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بیٹھ جائیے تاکہ ہم ایمان تازہ کر لیں۔

حضرات صحابہؓ میں ایک ایک فرد کا یہ حال تھا کہ اپنے رہن سہن نشست و برخاست، سونے جاگنے، کھانے پینے کے تمام احوال میں اُن کو کوئی ایسی چیز برداشت نہیں تھی جو سیر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ اُن کا اپنا کیسا ہی کوئی پروگرام ہو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سیرت مصطفےٰؐ کے خلاف ہے اُس کے چھوڑنے میں ایک منٹ کا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔

دنیا میں نامور اور بڑے لوگوں کی سوانح اور حالات لکھنے کی رسم کوئی نئی نہیں، بہت پُرانی ہے جس میں نیک خصلت عدل و انصاف پھیلانے والے، خدمت خلق کرنے والے نامور بادشاہ بھی بیشمار ہیں علم و حکمت اور فلسفہ و نکتہ دانی کے معروف حکماء بھی کئی ہیں۔ عبادت و ریاضت حلم و کرم، جود و سخا حسن اخلاق، حسن معاملات کے حالات و واقعات بھی دنیا کی تاریخ میں کچھ کم نہیں ہیں، لیکن وہ ہستی جس کے طاعات و عبادات اور حسن اخلاق و معاملات، حسن معاشرت، خدمت خلق کیلئے ہر طرح کی قربانی کے جذبات کا رنگ دوسرے لوگوں پر۔ اپنے دوستوں، دشمنوں پر ایسا چڑھا ہو جیسا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا رنگ اپنوں اور غیروں پر چڑھا اور پھر یہ ایسا متعدی ہوا کہ دنیا کی کایا پلٹ دی۔ پچیس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر نہ گذرے تھے کہ دُنیا کے مشرق و مغرب میں یہ

رنگ پھیل گیا کہ اس کی نظیر عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

اس لئے میری اس مختصر گذارش کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور حالات و مقالات کا پڑھنا۔ سُننا ہر حال میں نور ہی نور اور نفع ہی نفع ہے۔ اس کے لئے جتنے اجتماعات اور کانفرنسیں کی جائیں کم اور ناکافی ہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ اُس کو نہ صرف ہر اسکول، کالج اور مکتب و مدرسہ میں بلکہ ایک ایک مسلمان کے گھر پہنچانے کی فکر کریں۔

لیکن یہ سمجھ کر کریں کہ ہم دُنیا کے کسی شخص کی تاریخ پڑھ رہے ہیں بلکہ دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا ایک نسخہ اکسیر لے اور دے رہے ہیں جس کا صرف پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ جسم اور قلب و رُوح پر اُس کا استعمال ضروری ہے۔ اور بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو سیرت کے جلسوں میں سیرت طیبہ سے متعلق مقالات کے پڑھنے سننے میں اس کا دھیان رکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق حالات سننے کے وقت اپنی زندگی کا محاسبہ کریں کہ ہم اس معاملہ میں کس مقام پر ہیں اور کیا کر رہے ہیں، اور ہمیں فلاح دُنیا و آخرت کے اس نسخہ اکسیر سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

ضبط و ترتیب:
مولانا رشید اشرف سیفی
استاذ دار العلوم کراچی

از: عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی مد ظلہم صدر دار العلوم کراچی

۲۸ شوال ۱۴۰۵ھ (مطابق ۷ جولائی ۱۹۸۵ء بروز بدھ) کو دار العلوم کراچی کے تعلیمی سال کے آغاز اور افتتاح بخاری کے موقعہ پر جامع مسجد دار العلوم میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی مدظلہ نے طلبہ، اساتذہ اور منتظمین سے اہم خطاب فرمایا، جو بیش قیمت نصائح اور دینی مدارس کے لئے بہترین لائحۂ عمل پر مشتمل ہے، یہ خطاب ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین ۰ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ۰
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۰

الحمد للہ ثم الحمد للہ ہماری زندگی کیلئے آج بڑی مبارک ساعت ہے، یہ بڑی عظیم سعادت ہے کہ ہم آج دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری شریف کا آغاز کر رہے ہیں، یا اللہ! درسِ حدیث کی یہ مبارک ساعت جو آپ نے ہمیں عطا فرمائی جس میں ہم آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اور صحیح بخاری شریف کا آغاز کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے، اور اس کے بڑے فیوض و برکات قیامت تک کے لئے جاری کر دئیے ہیں، یا اللہ! اس کی برکات کا تمام پڑھنے والوں کو اور پڑھانے والوں کو مورد بنا دیجئے، یا اللہ شرح صدر فرما دیجئے۔ یا اللہ! ایسے علوم عطا فرمائیے جو سب کیلئے باعثِ برکت و منفعت بھی ہوں اور باعث سعادت دارین بھی، پھر ان علوم کے مطابق توفیقِ عمل بھی عطا فرما دیجئے، یا اللہ! ہم دل سے دُعا کرتے ہیں، ہماری دُعا قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! آج دارالعلوم کراچی کی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے، آپ کی ہزاروں برکتوں کے ساتھ، ہزاروں حفاظتوں کے ساتھ، ہزاروں انعامات کے ساتھ آپ ہی اعانت و نصرت فرمائیے، یا اللہ! ہمارے اساتذہ کے ایمان کو بھی اور ہمارے طالب علموں کے ایمان کو بھی زیادہ سے زیادہ اپنے کلام پاک کے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کے انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق کامل عطا فرمائیے، ہر طرح کی خیر و برکت عطا فرمائیے، ہر طرح کے شر و فتنہ سے محفوظ فرمائیے، یا اللہ! خالصۃً اپنی رضا کیلئے توفیقِ اعمال عطا فرمائیے، ایسے اعمال کی توفیق دیجئے جو آپ کے پسندیدہ ہوں جو آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے مطابق ہوں، یا اللہ! اس پر ہر شخص کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے، یا اللہ! دینی تعلیم کی خیر و برکت ہمیشہ پھیلتی رہے، اس کی تذکیر بھی ہوتی رہے، یا اللہ! یہ سلسلہ ہر طرح کی توفیق کے ساتھ، اعانت کے ساتھ جاری رہے، یا اللہ! اساتذہ کو، طالب علموں کو، منتظمین کو سب کو سعادت عطا فرمائیے، اخلاصِ نیت عطا فرمائیے، یا اللہ! جذبۂ عمل عطا فرمائیے، اپنی رضا مندی کی توفیق عطا فرمائیے۔

میرے لئے یہ خوش نصیبی کی بات ہے اور آپ لوگوں کی محبت ہے کہ باوجود ضعف کے آپ لوگوں کے درمیان حاضر ہونے کی توفیق ہوئی اور یہ سعادت حاصل ہوئی، میں آپ لوگوں کے حق میں دُعائیں کرتا ہوں اور اپنے حق میں آپ لوگوں کی دُعائیں چاہتا ہوں، میرے دل میں اِس دارالعلوم کی عظمت بھی بہت زیادہ ہے اور محبت بھی، مجھے آپ لوگوں سے ایک دلی لگاؤ ہے، مجھے بڑی مسرت ہے اور مجھے اس بات سے بڑی تقویت ہے کہ آپ سب حضرات میرا خیال رکھتے ہیں مجھ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں، اور میں آپ لوگوں کے لئے دُعائے خیر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کی قدر کرتا ہوں۔

مَیں آپ سے کیا بات کروں؟ میں صرف چند باتیں دردِ دل کے ساتھ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں، دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی مجھے توفیق دے کہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ آپ کے سامنے آپ سب کے فائدے کی باتیں عرض کر سکوں، میں بھی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلوب میں قابلیت اور صلاحیت دے، رشد و ہدایت کی باتیں سُن کر اُن پر عمل کریں۔

دیکھنے میں یہ ایک معمولی بات نظر آتی ہے، اور ایک رسم کی طرح محسوس ہوتی ہے کہ آج دارالعلوم کی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے، تمام خیر و برکات کے ساتھ، تمام نیک توقعات کے ساتھ، مگر درحقیقت یہ معمولی چیز نہیں، دینی درسگاہ معمولی چیز نہیں، یہاں اللہ کے کلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تبلیغ ہوتی ہے اشاعت ہوتی ہے، تعلیم ہوتی ہے، یہ ایک بڑا مرکز ہے، بڑا بنیادی مرکز ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام خیر و برکات کا ظہور ہوتا ہے، دین کی بقا اسی سے ہے، دین کی حفاظت اسی سے ہے، دین کی تبلیغ اس سے ہے، یہ دارالعلوم معمولی چیز نہیں ہے، اس کی قدر کرو یہ ایمانی اور اسلامی شعائر کا ایسا مرکز ہے کہ جس کی مثال کہیں نہیں، دُنیا بھر میں جانے کتنی درسگاہیں ہیں، جانے کتنے فنون ہیں، جانے کتنی رائج الوقت چیزیں ہیں، لیکن یہ دارالعلوم کی قسمت ہے کہ یہاں پر اللہ اور اللہ کے رسول کے دین کی تعلیم دی جاتی ہے، یا اللہ! حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مقاماتِ رفیعہ عطا فرما، درجاتِ عالیہ عطا فرما، کہ انہوں نے ہمارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ کا خزانہ جمع کر دیا، یا اللہ! ان کی برکاتِ ایمانی سے ان کے فیضِ روحانی سے، پڑھانے والوں کو، پڑھنے والوں کو قیامت تک سبھی کو فیضیاب و سیراب فرما،

یا اللہ! اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ جتنی بھی اس کتاب کے اندر برکات ہیں، رحمتیں ہیں، ہمیں سب سے بہرہ ور فرما، طلبا کو بھی اور اساتذہ کو بھی اور تمام حاضرین کو بھی۔

آج بخاری شریف کا افتتاح ہو رہا ہے یہ کتاب بڑی بابرکت کتاب ہے، بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے، یہ ایمان و اسلام کی اساس و بنیاد ہے، اس کی ابتدا ایسی حدیث شریف سے فرمائے ہیں جو نیت کے بارے میں ہے، اور نیتِ خالص ہماری تمام عمر کا سرمایہ ہے، نیتِ خالص ایک مؤمن کے ایمان کا جوہر ہے، یا اللہ! آپ نے جس بابرکت حدیث سے ابتدا کرائی ہے، یا اللہ! اس کی اہلیت سب کو عطا فرمایئے، صلاحیتیں عطا فرمایئے، ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرمایئے، یا اللہ! اس کے اثرات و ثمرات سے محروم نہ فرمایئے۔

دُعا کرو کہ یا اللہ! آج جو کام آپ کے نام سے شروع کیا جارہا ہے اس کو شرف قبولیت عطا فرمایئے، ہماری صلاحیتیں، ہماری استعدادیں سب ناقص ہیں، لیکن ہماری نیت یہ ہے کہ یا اللہ! ہم آپ کے دین کو حاصل کریں گے اور آپ کے دین کی اشاعت کریں گے اور دین کے تقاضوں پر عمل کریں گے، ہم اہتمام سے یہ نیت کرتے ہیں، یا اللہ! اخلاصِ نیت کے برکات و ثمرات ہمیں عطا فرمایئے تاکہ جو کچھ بھی ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں سنیں، ان پر عمل کریں، جو ضابطۂ حیات و ممات ہمارے لئے مقرر کیا گیا ہے اس پر عمل کریں، یا اللہ! اخلاصِ نیت ہم کو عطا فرمایئے، اس کے ثمرات و برکات سے ہمیں مالا مال فرمایئے، یا اللہ! ہماری حفاظت فرمایئے ہماری نیتوں کو درست فرما دیجئے، یا اللہ! جو علم بھی ہم حاصل کریں ہمارا مقصود اصلی آپ کی رضا ہو، ہمارا مقصودِ حیات آپ کی رضائے کاملہ ہو۔

آپ ہمارے خالق ہیں، رزاق ہیں سب ہی کچھ ہیں ہم آپ کے بندے ہیں، آپ کی مخلوق ہیں، ہم کیسے حق ادا کریں؟ کس طرح حق ادا کرسکتے ہیں؟ ہماری کیا مجال؟ یہ آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور طفیل ہے کہ وہ ہم کو بتا گئے ہیں، انہوں نے اپنی عملی زندگی سے اپنے ارشادات سے ہم پر واضح کردیا ہے کہ ایک بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور وہ تعلق کس طرح صحیح ہوگا؟ یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہیں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کیلئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ان کی غفاریت ان کے تمام اسمائے حسنیٰ سے ہمارا تعلق جوڑنے اور ان سب سے ہم کو متعارف کرانے کیلئے ہیں، ان کے انوار و تجلیات سے ہمارے قلوب کو معمور کرنے کیلئے ہیں۔

اخلاصِ نیت کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" جو کام ہو اس کی رضا کیلئے ہو، ہمارا ایک ایک لمحہ اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذرے، اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا، ان کی معبودیت اور رزاقیت کا حق ادا کرنے کا واحد مستند و معتبر طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ آپ کے سامنے احادیث آئیں گی جو ہمارے لئے بڑی سبق آموز ہیں، ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں، یہ حدیثیں ہم کو بتائیں گی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق پیدا کرسکتے ہیں؟ اپنا حق عبدیت کس طرح ادا کرسکتے ہیں؟ اس لئے آج بخاری شریف کی پہلی حدیث شریف "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" پڑھتے ہوئے سچے دل سے عہد کرو کہ ہم یہ درس اس نیت سے شروع کررہے ہیں کہ جو کچھ ان احادیث میں فرمایا جائیگا اپنی زندگی کو اس میں ڈھال لیں گے، اس کو اپنا جزوِ ایمان بنالیں گے اس کو اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ بنالیں گے، اس نیت سے پہلی حدیث شریف پڑھو، خالص نیت شرط ہے۔

جب پڑھنے پڑھانے کے لئے بیٹھا کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لیا کرو، جیسے آج ابتدا میں "رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر" اور "رب اشرح لی صدری ویسر لی أمری، واحلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی" پڑھ لیا، اسی طرح رجوع الی اللہ کر لیا کرو اور یوں کہا کرو کہ یا اللہ! ہماری صلاحیتوں میں نقائص ہیں، ہماری استعداد ناقص ہے، لیکن ہم آپ کا دین حاصل کر رہے ہیں اس لئے ہمارے نقائص دُور فرما دیجئے، ہمارے حالات درست فرما دیجئے، ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائیے، یا اللہ! دین کے مقتضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیے اور تقاضائے عمل بھی پیدا فرمائیے اور ہمارے اعمال کو نفس و شیطان کے مکائد سے ہمیشہ بچائے رکھئے، ہر روز پہلے یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کر لیا کرو۔

تم کلام اللہ کیوں پڑھتے ہو؟ جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے؟ یا صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے، ہم اس کے تراجم پڑھتے ہیں، اس کے مطالب بیان کرتے ہیں، اس کی شان نزول بیان کرتے ہیں، آداب بیان کرتے ہیں، اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کی تفاسیر بیان کریں، کیا اتنا سمجھنا کافی ہے؟ بلاشبہ یہ چیزیں بھی بنیادی ہیں، لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں۔ کلام اللہ تو ایک مکمل ضابطۂ حیات و ممات ہے، دُنیا کیلئے بھی آخرت کیلئے بھی، یہ بتلاتا ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ اس کے اوپر کون کون فرائض و واجبات ہیں؟ اور اس کی کون کون سی ذمہ داریاں ہیں؟ سب کا بیان اس کلام اللہ میں ہے، سب سے پہلے عقائد صحیح ہو جانے چاہئیں، جب تک عقائد صحیح نہ ہوں گے توحید صحیح نہیں ہوگی، آخرت کا یقین نصیب ہوگا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونی چاہیئے، جب تک آپؐ سے محبت نہ ہوگی، ایمان غیر معتبر اور بالکل ناقص ہوگا، یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں یہ چیزیں کیسے معلوم ہوں گی؟ کلام اللہ کے پڑھنے سے، احادیث کے پڑھنے سے، یہ آداب، یہ طریقے، یہ علم کلام اللہ اور کلام رسول ہی سے حاصل ہوں گے، غایتِ حیات ہماری یہی ہے کہ کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ کو اپنا ضابطۂ حیات و ممات بنائیں، انسان اشرف المخلوقات ہے اس کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ عالمِ تعلقات میں کس طرح رہنا چاہیئے؟ کیا ضابطۂ حیات ہونا چاہیئے جو اس کیلئے دُنیا میں بھی سرمایہ ہو اور آخرت میں بھی؟ یہ سب کلام پاک اور احادیثِ شریفہ ہی سے معلوم ہوگا۔

ایک دُعا ہے، بڑے کام کی "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة" اے اللہ! ہم کو وہ حسنات عطا فرمائیے جو آپ کے علم میں ہیں، اور وہ ہمارے لئے ضروری ہیں، ہم حسنات کے محتاج ہیں، یہ حسنات ہمیں کہاں سے معلوم ہوں گے؟ کلام اللہ اور کلام رسول سے! حسنات کا کیا مفہوم ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، لیکن اصولی بات یہ ہے کہ ہم ایسی زندگی گذاریں کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے، دُنیا میں رُسوائی سے بچے رہیں اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں، اسی لئے ارشاد ہے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"۔

کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی یہی غایت ہے کہ ہم کو ضابطۂ حیات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں؟ اور کن باتوں سے ناراض؟ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں ہم پر خصوصی رحم فرما کر ہمیں شرفِ بشریت سے نوازا، اور اشرف المخلوقات قرار دیکر ممتاز فرمایا ہے، صرف اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطۂ حیات اور ضابطۂ ممات کی تفسیر کرتے رہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو اپنے لئے عملی نمونہ قرار دیکر اس کے مطابق

عمل کرتے رہیں آپ کی حیاتِ طیبہ یہ اعمالِ صالحہ ہیں انہیں اختیار کرنا چاہیئے ارشاد ہے: "وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" اور ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب کس لئے دی ہے؟ ہمارے فائدے کیلئے یا ہماری زندگیاں سنوارنے کیلئے، اسلئے ہمیں اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ لیکن کس طرح؟ اتباعِ سنّت کے ذریعے!

کلام اللہ اس لئے پڑھایا جاتا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کیلئے، اشرف المخلوقات کیلئے ایسا ضابطۂ حیات بنایا ہے جو اس کیلئے دُنیا میں بھی سرمایہ ہے اور آخرت میں بھی، پھر سنّتِ نبویؐ کے ذریعے اس ضابطۂ حیات پر عمل کرنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کی حدود بتادیں۔

احادیثِ شریفہ کی جو کتابیں آپ پڑھتے ہیں ان کی غایت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات ہمیں دیئے ہیں اور جو ضابطۂ حیات ہمارے لئے مقرر کیا ہے ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور دُنیا میں بھی سرخروئی حاصل کریں، اور آخرت میں بھی، اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کا، اس کی رحمتوں کا مورد بنیں، ارشاد ہے: "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" اگر تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تو تم سرخرو ہوگے سب پر غالب ہوگے۔

کچھ پتہ چلا کہ ہماری تعلیم و تعلّم کا مقصود کیا ہے؟ اصل مقصد ہے، ضابطۂ حیات کا معلوم ہونا، وہ کہاں سے معلوم ہوگا؟ کلام پاک سے، کس طرح اس پر عمل کریں؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوگا۔ یہی مقاصد ہیں ہماری تعلیم کے، یہی غایت ہے کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ پڑھنے کی،

بہرحال کلام اللہ کی تفاسیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم و تربیت کی غایت آپ کے علم میں آگئی یعنی ضابطۂ حیات کا معلوم ہونا، اب آپ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا حق بھی ادا کریں، یعنی جو کچھ بھی پڑھیں پڑھائیں اس پر عمل کرتے رہیں، یہ غایت الغایات ہے ہمارے تمام علوم کی، پڑھتے پڑھاتے جاؤ، سمجھتے جاؤ اور عمل کرتے جاؤ، ابھی طالب علمی کے زمانے ہی سے شروع کردو۔

پہلے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے کہ ایک حدیث شریف پڑھائی، فوراً پوچھتے کہ بتاؤ اس کی غایت کیا ہے؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ اور پھر اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتے، اس کی عملی تربیت بھی دیتے، اور اس کی نگرانی بھی کرتے، اس طرح ایک وقت میں اساتذہ طلبہ کو شریعت کے احکام بھی بتادیتے تھے اور طریقت کے طریقے بھی سکھادیتے تھے کہ یہ جو کچھ تم پڑھ رہے ہو اس کا تمھاری زندگی سے کیا واسطہ ہے؟ کس طرح تم اس کو استعمال کروگے؟ کس طرح اس کو اپنے اوپر منطبق کروگے؟ تاکہ تم خیر البشر اشرف المخلوقات کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہوسکو اور "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کا صحیح مصداق بن سکو۔

اعمالِ صالحہ کیا ہیں؟ کلامِ الٰہی کو ضابطۂ حیات بنانا اور اس پر عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانا، یہ میں بار بار اس لئے دُہرا رہا ہوں کہ دل نشین ہوجائے کہ تمام تعلیم و تعلّم کی غایۃ الغایات یہ ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے کلام کو پڑھیں اور اپنے اوپر منطبق کریں اور اس طرح زندگی بسر کریں کہ ہمیں یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی رضائے کاملہ نصیب ہو اور آخرت میں بھی۔ انسان سے لغزشیں اور کوتاہیاں ضرور ہوتی ہیں، نفس و شیطان ضرور راہ میں حائل ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے رجوع کردو وہ ان تمام خرافات سے نجات عطا فرمادیگا۔

یاد رکھو! جب بھی قرآن وحدیث پڑھنے بیٹھو، یہ دُعا کر کے پڑھا کرو کہ یا اللہ! یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے نبیؐ کا کلام ہے، ہماری استعداد ناقص ہے یا اللہ! اس کلام کی برکت سے، اس کلام کے انوار و تجلّیات سے ہمارے ایمان کو منوّر فرمایئے، ہمارے اعمال کو منوّر فرمایئے، اور ہمیں اپنی رضائے کاملہ کا مورد بنایئے، ہر روز یہ دُعا کر لیا کرو۔

اس وقت میں نے جو غایت بتائی اس کو اساتذہ اور طلبہ سب پیشِ نظر رکھیں۔

کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ کوئی معمولی چیز نہیں ہیں، کوئی مخلوق ان کا تحمّل نہ کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور اپنی قدرت سے ہمارے اندر اس کا تحمّل پیدا فرما دیا، ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اس کا تحمّل کر سکتا۔ یاد رکھو! ہر چیز کے کچھ آداب ہوا کرتے ہیں، مثلاً نیت کی درستگی ہر عمل صالح کی لازمی شرط ہے، بخاری شریف کی پہلی حدیث میں یہی اشارہ دیا گیا ہے، جب تک تمہاری نیت خالص نہیں ہوگی، تمام اعمال بیکار ہیں، نیت کی درستگی کے ساتھ اگر کوئی عمل صالح کیا تو ضرور اس کا فائدہ پہنچے گا۔ نیت کی درستگی کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ لکھنا ہو خالصۃً للہ ہو، عمل کرنے کیلئے ہو، تمہارے ایمان اور تمہاری روح پر اس تعلیم کا اثر جب ہی ہوگا جب تم یہ نیت کر کے پڑھو گے کہ اس پر عمل کرنا ہے، عمل ہی کیلئے سب کچھ پڑھایا جاتا ہے، ترجمہ کر دینا، تفسیر کر دینا بذاتِ خود مقصود نہیں تفسیر، تشریحات وغیرہ تو ذہن نشین کرانے کیلئے ہیں وہ بھی ضروری ہیں، لیکن مقصود نہیں، غایت الغایات عمل کرنا ہے، جب تک عمل نہیں کرو گے کامیاب نہیں ہو گے۔

اس لئے سب نیت کرو کہ یا اللہ! آج ہم نے ایک مبارک حدیث شریف سے افتتاح کیا ہے، ہماری نیتوں میں خلوص عطا فرمایئے ہمیں تقویت عطا فرمایئے، قابلیت عطا فرمایئے، عمل کی توفیق عطا فرمایئے، دُنیا میں ہم سے راضی رہیئے "ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"۔

اس کائنات میں انسان کیلئے سب سے بڑی دولت ایمان ہے، ایمان کیا کرتا ہے؟ ایمان یہ کرتا ہے کہ تمام نفس وشیطان کے طریقوں سے محفوظ رکھتا ہے، فواحشات، منکرات، بے حیائی، بے غیرتی، بے شرمی سب سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کا کلام بہت مستحکم ہے، اگر یہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا کلام آپ کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو اس کے اندر فواحشات ومنکرات کو جگہ نہ دو، خدا کے لئے اپنی زندگی کو فواحشات ومنکرات سے بچاؤ، جس طرح بغیر وضو اور بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی، اسی طرح خوب سمجھ لو کہ جب تک تم گناہوں کو نہیں چھوڑ دو گے قلب کی صفائی نہیں ہوگی۔ اور جو حضرات عہدِ حاضر کے موجودہ گندے ماحول میں ڈوب گئے ہیں، ان کی زندگی میں کلام اللہ اور کلام رسول کی برکات مرتب نہیں ہوتیں، سب سے پہلے آپ پر واجب ہے کہ قلب کی طہارت کا اہتمام کریں، جس طرح بغیر طہارت کے نماز نہیں پڑھ سکتے اسی طرح بغیر طہارت کے اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کے انوار وتجلیات ہم پر مرتب نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس وشیطان تو سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ہمارا ماحول شیطانی ہے، تمام اثرات ہمارے شیطانی ہیں، زمین وآسمان ان اثرات سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اتنا کر لیا کرو کہ جب کبھی کلام اللہ اور کلام رسولؐ پڑھنے کا ارادہ ہو تو استغفار کر لیا کرو۔ اس کی عادت ڈال لو، کہ میں یہ کلام آپ کے نام سے شروع کر رہا ہوں میں اپنے قلب وذہن کی طہارت کا طلبگار ہوں، یا اللہ! آپ میرے ساتھ ہیں، یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے رسول کا کلام ہے۔ اس کے جو انوار ہیں، تجلیات ہیں،

خواص ہیں، میں ان کو کیسے حاصل کر سکوں گا؟ یا اللہ! میں استغفار کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، تمام اپنے گناہوں سے جو مجھ سے عمداً یا خطاءً سرزد ہوئے، میری آنکھیں ناپاک ہو چکیں، میری زبان ناپاک ہو چکی، میرے قلب کے اندر وساوس و خطرات آچکے ہیں، سب میں کثافت ہے، میرے قلب کے اندر، میری استعداد میں بھی، میری قابلیت میں بھی، میری صلاحیت میں بھی، میرے ادراکات میں بھی، میرے احساسات میں بھی، ہر چیز میں کثافت ہی کثافت ہے، لیکن میں استغفار کرتا ہوں "استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ" انشاء اللہ سب معاف ہو جائیں گے۔ اور اس استغفار کے بعد جب پاک صاف ہو کر کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو گے تو انشاء اللہ ان کے انوار و تجلیات سے سیراب ہو گے، کیونکہ استغفار کے ذریعہ طہارتِ قلب کی شرط تم نے پوری کر دی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے ہم کو ایمان عطا فرمانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی حفاظت کیلئے بھی ایک بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، وہ دولتِ استغفار ہے، اگر استغفار کرو گے کوئی ناپاکی نہ رہے گی مگر صدق دل سے کرو، اس نیت سے کرو کہ آئندہ کیلئے گناہ بالکل چھوڑ دو گے،

جب بھی کوئی نیک کام کرو، کوئی عبادت کرو، احادیث پڑھو تو پہلے اسی طرح قلب کی طہارت حاصل کرو کہ یا اللہ! ہمارے اندر جتنی کثافتیں ہیں ہمارے تخیل میں، ہمارے تصور میں، ہماری استعداد میں جتنی بھی کثافتیں ہیں، ہم سب سے صفائی چاہتے ہیں أستغفر اللہ أستغفر اللہ، أستغفر اللہ ربی من کل ذنب، رب اغفر وارحم وانت خیر الرّٰحمین، یہ دعائیں پڑھ لیا کرو، صدقِ دل سے یہ دعائیں پڑھ لو، تو تم مؤمن ہو گئے، متقی ہو گئے، اب بسم اللہ کر کے پڑھو، انشاء اللہ اسکے انوار و تجلیات سے نوازے جاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ ہر چیز کے کچھ طریقے ہوتے ہیں، آداب ہوتے ہیں، پہلے ان کو ذہن نشین کر لو، یہ نہیں کہ کتاب اُٹھائی اور بسم اللہ کر دی، سب سے پہلے استغفار پڑھو، اس کے بعد بسم اللہ پڑھو، جب ختم کرو، تو دعا کر لو یا اللہ! یہ انوار و تجلیات کے کلمات میری زبان پر جاری ہوئے، میری فہم میں آئے، میرے قلب میں آئے، یا اللہ! ان کی حفاظت فرمائیے، اور آئندہ کثافتوں سے اسے محفوظ رکھئے، اس کے انوار و تجلیات سے میری روح کو میرے ایمان کو منور رکھئے، ان علوم کو محفوظ رکھئے اور ان میں برکت عطا فرمائیے۔ پھر شکر ادا کرو کہ سبق پڑھنے اور حدیث پڑھنے کی توفیق اور سعادت حاصل ہو گئی۔

تعلیم کے بہت سے لوازمات ہیں، آپ کا یہ مدرسہ علوم قرآن کی تعلیم گاہ ہے، اخلاق و آداب کی تربیت گاہ ہے، اور اخلاق و آداب جزوِ ایمان ہیں، یہ ہمارے ایمان کا پانچواں شعبہ ہیں، تعلیم کا مقصود تہذیبِ اخلاق ہی سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ نفس کے اندر بڑی شرارتیں ہیں، بڑی گندگیاں ہیں، بڑے بڑے تقاضے ہیں، جب تم نے استغفار کر لیا تو اس کی برکت سے نفس و شیطان سے انشاء اللہ تعالیٰ چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

علم حاصل کرنے کے لئے ادب و احترام بھی نہایت ضروری چیز ہے، جبتک ادب نہ ہو، علم حاصل نہیں ہو گا، ادب یہ ہے کہ علم کے ذرائع کا احترام کیا جائے کہ کس کس چیز کو علم سے نسبت ہے، ہر ایسی چیز کا احترام کرو، عزت کرو جو حصول علم کا وسیلہ ہے، اساتذہ کی، کتابوں کی، قلم کی، روشنائی کی، غرض جتنی چیزیں علم کے ساتھ وابستہ ہیں سب کی عزت کرو، سب کا احترام کرو، جو چیز علم کی تبلیغ کیلئے ہو، علم کی اشاعت کیلئے ہو، جبتک اس کا ادب نہ کرو گے اس وقت تک علم کے انوار و تجلیات حاصل نہ

ہوں گے، کلام اللہ کو، کلام رسولؐ کو، فقہ کی کتابوں کو ادب کے ساتھ رکھو، اہتمام کے ساتھ رکھو، عزت کے ساتھ رکھو، جب ان کی عزت کروگے، ادب کروگے پھر ان شاء اللہ علوم حاصل ہونگے، علوم لدنیہ حاصل ہونگے۔

ادب بڑی شے ہے، دل و دماغ کی طہارت کے بعد اور روح و قلب کی طہارت کے بعد دوسرا مطالبہ ہم سے ادب اور احترام کا ہے کہ ان علوم کا ادب و احترام کرو۔ مثلاً ایک شخص کہہ رہا ہے کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے اور حقیقت میں حدیث نہ ہو، تو فوراً یہ مت کہو کہ حدیث میں نہیں ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ گردن جھکالو، کیونکہ اس نے حدیث کا نام لیا ہے، اس کے آگے گردن جھکادو، پھر کہو کہ بھائی آئندہ ایسا نہ کہنا، یہ حدیث شریف نہیں ہے، بغیر تحقیق کے ایسی بات مت کہو، لیکن اولاً نام سنتے ہی حدیث کا یا قرآن کا ضرور گردن جھکادو، کیونکہ اللہ اور اللہ کے کلام کا حوالہ دیا گیا ہے، جھک جاؤ، اپنی علمیت کا اظہار نہ کرو کہ فوراً مناظرہ کرنے لگو، حکم یہ ہے کہ قرآن کریم کا نام یا احادیث کا نام سنو تو گردن جھکادو، اس کے بعد پھر تردید کرو، یہ ہے ادب۔ جن طالب علموں میں ادب نہیں ہے وہ محروم رہتے ہیں ع

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

تو جس طرح طہارت ضروری ہے جیسا کہ میں نے ابھی اس کی اہمیت اور فضیلت بتائی، اسی طرح قلم، دوات، روشنائی، کاغذ کے پرزے ان سب کا ادب بھی ضروری ہے، ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اگر کاغذ کا کوئی پرزہ پڑا ہوتا ہے تو اس کو جلدی سے اٹھالیتا ہوں، کہیں اس کے اوپر کسی کے پاؤں نہ پڑ جائیں تو کاغذ کا اس طرح ادب کروگے تب جاکے تم کو علم حاصل ہوگا، ادب بہت بڑی چیز ہے، علم سے جتنی چیزیں تعلق رکھتی ہیں ان سب کا ادب کرو، جب کاغذ، قلم، روشنائی اور کتاب کا ادب ضروری ہے تو پڑھانے والے کا ادب اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اساتذۂ کرام کا ادب و احترام بڑا ضروری ہے، جبتک ان کا ادب و احترام نہ کروگے ان سے محبت نہ کروگے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ تم کو ایسی چیز عطا فرما رہے ہیں جو تمہاری استطاعت سے باہر تھی، یہ ان کی شفقت اور محبت ہے کہ تمہیں درس دے رہے ہیں، نہایت ادب کے ساتھ سنو اور ان کا ادب کرو احترام کرو، ان کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم کو بہت بڑی نعمت کا حامل بنارہے ہیں، جبتک ان کی عزت نہیں کروگے احترام نہیں کروگے اس وقت تک صحیح علم حاصل نہیں ہوتا، جو طالب علم اساتذہ کا ادب کریں گے وہی ہونہار ہوں گے وہی صاحب سعادت ہوں گے، وہی صاحب اقبال ہونگے۔

دوسری بات اساتذہ سے متعلق ہے، اساتذہ کے پاس اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے کلام کی بہت بڑی امانت ہے جو وہ طالب علموں کی طرف منتقل کر رہے ہیں، ان کو بھی اسی طہارت کی ضرورت ہے، اسی نیت اور اخلاص کی ضرورت ہے، اسی ادب کی ضرورت ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ پر فائز کیا ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ، جذبۂ ایثار کے ساتھ، محبت کے ساتھ، شفقت کے ساتھ، پدرانہ محبت کے ساتھ، اللہ اور اللہ کے کلام کو طالب علموں کی طرف منتقل کریں اپنے طالب علموں سے ایسی محبت ہونا چاہئے جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے، ان کو اولاد سمجھیں، اور اولاد جس طرح جسمانی تعلق رکھتی ہے، اسی طرح شاگرد کا بھی ایک روحانی تعلق ہے، ایمانی تعلق ہے، اس لئے اساتذہ کو بڑا اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ شفقت کا، محبت کا، دل سوزی کا، ایثار کا معاملہ کریں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے، جب درس دینے کے لئے آئیں تو خوب مطالعہ کرکے آئیں، شرح صدر کے ساتھ آئیں اس کے بغیر درس کیلئے نہ آئیں۔

ایک واقعہ ضمناً یاد آگیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ درس دیا کرتے تھے، ایک دن آکے

بیٹھے اور فرمایا کہ میں آج درس نہیں دوں گا، کیونکہ میں تیار ہو کے نہیں آیا، اس درس کا میں نے مطالعہ نہیں کیا حالانکہ وہ بہت جید عالم تھے، بغیر مطالعہ کے بیان کر سکتے تھے، لیکن اس کو انہوں نے خیانت سمجھا کہ مطالعہ کے بغیر سبق پڑھائیں۔

تو بھی جبتک اساتذہ بھی اس قدر احتیاط نہ کریں گے اس میں برکت نہیں ہوگی۔ برکت اس میں جب ہی ہوگی جبکہ ان کے قول میں ان کے ارشادات میں ان کی تشریحات میں اخلاصِ نیت ہوگا، جذبۂ ایثار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پیشِ نظر ہوگی۔

اساتذہ کو بھی اپنے طالب علموں کے ساتھ پدرانہ محبت و شفقت، دلجوئی اور دلسوزی کا معاملہ کرنا چاہئیے، اور طالب علموں کو بھی اساتذہ کی اپنے باپ سے زیادہ عزت کرنی چاہئیے، میں نے بتایا کہ ایک جسمانی عظمت ہوتی ہے اور ایک روحانی اور ایمانی، طلبہ کا اساتذہ کے ساتھ جو رشتہ ہے، یہ روحانی رشتہ ہے، ایمانی رشتہ ہے، اور جسمانی رشتہ سے بڑھ کر ہے، اس لئے اساتذۂ کرام کے ادب کا طلبہ کو خاص اہتمام کرنا چاہیئے، ایسا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کامیابی ہوگی، ہمیشہ مقصود حاصل ہوگا۔ درسگاہ اور تعلیم و تعلم کے جو مقاصد ہیں وہ یہی ہیں کہ فطرتِ انسانیہ انسان کو حاصل ہو جائے اللہ اور اللہ کے رسول سے صحیح تعلق ہو جائے، اس کی یہی تدبیریں ہیں جو ہم نے بتائیں یعنی طہارت و ادب۔

منتظمین سے بھی مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ آپ منتظمین ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو حسنِ انتظام کی توفیق دے، حسنِ انتظام بہت بڑی چیز ہے، حسنِ انتظام سے سب کو راحت رہتی ہے، اپنے آپ کو بھی راحت رہتی ہے، پوری برادری کو راحت رہتی ہے، ایسے انتظامات ہونے چاہئیں کہ کوئی تکلیف نہ ہو، دوسروں کیلئے کوئی دشواری نہ ہو، یہاں یہ سب مہمانانِ رسول ہیں، طالب علم ہیں، منتظمین کو چاہئے کہ ان کی آسائش کا آرام کا خیال رکھیں۔

طالب علموں کیلئے ایک اور اہم نصیحت ہے کہ خبردار! جبتک طالب علم ہو دارالعلوم کے احاطہ کے اندر رہو اپنی دینی، علمی کتابوں کے علاوہ غیر چیزیں تمہارے سامنے نہ آئیں، اخبارات ہیں، ریڈیو ہیں، رسالے ہیں، جانے کیا کیا چیزیں ہیں، یہ تمہارے سامنے نہ آئیں، یہ چیزیں ہرگز تمہارے سامنے نہ آنی چاہئیں یہ سب چیزیں مُضر ہیں ان سب میں سمیت ہے، دل دماغ کو خراب کر دینے والی، ماؤف کر دینے والی چیزیں ہیں، بس تندہی کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے کلام کو پڑھتے رہو، نماز باجماعت کی پابندی کرو، ادعیۂ ماثورہ کا اہتمام کرو، اور خبردار غیر متعلق چیزوں کی طرف توجہ نہ دو بس اپنی طرف توجہ رکھو، آج کل کا ماحول اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بڑا شر انگیز ہے، میں اساتذہ سے بھی اور طلبہ سے بھی کہتا ہوں کہ اس دارالعلوم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہرگز نظر نہ ڈالنا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ کہاں کہاں کون کونسی انجمنیں اور بڑی بڑی جماعتیں قائم ہیں؟ خبردار ان انجمنوں اور جماعتوں کا تم سے کوئی تعلق نہیں، تم اپنی توجہ اپنی حدود کے اندر رکھو اپنی صلاحیتیں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں صحیح طور پر صرف کرو۔

خبردار! باہر بڑے فتنے ہیں، دین کے فتنے ہیں، جماعتیں اور انجمنیں قائم ہو رہی ہیں، اسلام کے نام پر، ایمان کے نام پر پارٹیاں بن رہی ہیں، تم کو ہرگز ان کے قریب نہ جانا چاہئے، خبردار ان کی طرف کبھی بھی نظر نہ ڈالنا، اساتذہ بھی اپنی اپنی صلاحیتیں ان کاموں میں صرف کریں جن کیلئے انہیں مقرر کیا گیا ہے دارالعلوم کی چار دیواری کے اندر رہیں، باہر ہزاروں فتنے ہیں، دین کے نام پر فتنے برپا ہو رہے ہیں، ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا ہے، ہم کسی پر اعتراض نہیں کرتے، ہم اپنے دارالعلوم کی خیر چاہتے ہیں، ہم اپنے مذہب اور دارالعلوم کی چار دیواری سے ہرگز نہیں نکلیں گے جب تک فارغ نہ ہوں۔ آپ کیوں ان چیزوں میں حصہ لیں؟ کیا آپ خدائی فوجدار ہیں؟ آپ کے اوپر وحی آئی ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی ذمہ داریاں آپ اٹھاتے پھریں؟ آپ سوچتے ہوں گے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے، عالم ہونے کی وجہ سے بھی تقاضا ہے کہ اہلِ حق کی نمائندگی کرنی چاہئیے، اہلِ حق کو اگر رسوخ نہ ہوگا تو باطل

غالب آجائیگا بڑی اونچی سوچ ہے، بھئی تم کون ہوتے ہو باطل کو روکنے والے؟ حق کو غالب کرنے والے؟ کیا تم خدائی فوجدار ہو؟ تم اپنے مدرسے کا اور کتابوں کا حق ادا کرو جو تمہارا شعبہ ہے اس شعبہ میں کام کرو، یہ کام دوسروں کو کرنے دو اپنے شعبہ کو چھوڑ کر دوسرے شعبوں کے کام اپنے ذمہ لوگے تو اس شعبہ سے بھی جاؤ گے، خبردار! میری نصیحت ہے کہ آجکل کی سیاست کی طرف طلبہ واساتذہ ہرگز نظر نہ ڈالیں، آجکل کی سیاست کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر ہم خاموش رہینگے تو اہلِ حق کی نمائندگی کون کریگا؟ اہلِ حق کو حق بھی تو پہنچنا چاہیئے، باطل زور کر رہا ہے، اگر ہم بھی خاموش رہے تو حق پر باطل غالب آجائیگا، کیا آپ خدائی فوجدار ہیں کہ دنیا کا ہر کام آپکے ذمہ ہے؟ بس جس منصب تک پہنچ گئے ہو اس کا حق ادا کرو، اسلامی سیاست کا منصب بھی بہت سے واعظین ومبلغین اور مصنفین ومؤلفین نے اختیار کر رکھا ہے، یہ ان کا مذاق ہے ان ہی کو کرنے دیجئے، آپ اپنے شعبہ کو سنبھالئے، اگر آپ میں قوم وملت کی خیر خواہی کا بہت ہی زیادہ جذبہ ہے تو دارالعلوم کی چاردیواری سے باہر چلے جایئے اور حصہ لیجئے یہ نہیں ہو سکتا آپ جس کام پر مامور ہیں اس کو بھی کریں اور دوسرے کاموں کو بھی سنبھالیں، ایک صلاحیت سے دو جگہ کام نہیں ہو سکتے، ایک صلاحیت ایک ہی جگہ ہو سکتی ہے، اور اس صلاحیت میں ترقی اور برکت جب ہی ہوگی جب آپ ایک ہی شعبہ میں لگے رہیں، اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں آپ لوگوں کے سامنے باہر سے چاہے جتنے مطالبات اسلام اور دین کے نام پر آئیں آپ کو اس سے تعلق نہیں ہونا چاہیئے، آپ اس کے ذمہ دار نہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے چاردیواری پھاند کر چلے جائیں اور وہاں جاکے حق ادا کریں، بھئی سیاست سے آپ کو کوئی مَس نہیں، کوئی مناسبت نہیں، اس لئے اگر آپنے میری بات پر عمل نہ کیا تو ہمیشہ دھوکا ہوگا، یہ بالکل غلط خیال ہے کہ بھئی ہم خاموش کیسے رہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے اس وقت ضرورت ہے حق کی حمایت کی، یہ محض شیطانی وسوسے ہے، ہرگز ہرگز آپ سے اس کا مطالبہ نہیں، آپ سے مطالبہ یہ ہے کہ جو صلاحیت آپ کو دی گئی ہے اس کو صحیح استعمال کریں چاردیواری کے اندر رہ کر آپ جو خدمت کرسکتے ہیں کریں، درساً یا تحریراً، اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ ہزار کوئی آپ کو مدعو کرے کہ یہ انجمن ہے، وہ انجمن ہے کسی انجمن میں شریک نہ ہوں ہماری انجمن ہمارے ساتھ ہے، ہماری انجمن کوئی معمولی انجمن ہے؟ یہ انجمن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی بنیادی انجمن ہے، اس کی تعلیم کی درس وتدریس کی انجمن ہے، ہم اس کا حق ادا کرتے ہیں، خبردار! کبھی سیاست کی طرف نظر نہ اٹھانا ٹھوکر کھا جاؤ گے۔

میری نصیحت یاد رکھنا، اس سلسلہ میں اللہ میاں تم سے مواخذہ نہیں کرے گا، جب انہوں نے تم میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھی تو مواخذہ بھی نہ ہوگا، اگر ایک شخص آپ کا باورچی ہے تو آپ اس سے یہ مؤاخذہ نہیں کرسکتے کہ تم نے آج صفائی کیوں نہیں کی؟ کپڑے کیوں نہیں دھوئے؟ دارالعلوم ہی کو لے لیجئے، جو لوگ مطبخ میں کھانا پکاتے ہیں ان سے یہ مؤاخذہ نہیں کیا جاسکتا کہ تم نے سبق کیوں نہیں پڑھایا؟ میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ چاہے جتنی جماعتیں قائم ہوں تمہیں کسی طرف جانے کی ضرورت نہیں، اس کے علاوہ بہت سی انجمنیں اور جماعتیں صرف یہ چاہتی ہیں کہ کچھ ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیں جن سے ان کا وقار بڑھ جائے، کچھ ان کی پشت پناہی ہو جائے، اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ فلاں مولوی صاحب کو شامل کرلیں، فلاں مولوی صاحب کو بھی شامل کرلیں۔ وہ جماعتیں یہ سمجھتی ہیں ان سے ہماری جماعت میں تقویت پیدا ہو جائے گی، وہ تمہارے علم سے کچھ اخذ نہ کریں گی بلکہ اپنا اثر ضرور تم پر ڈال دیں گی، میں خیر خواہی سے محبت سے نصیحت کر رہا ہوں کہ خبردار سیاست کی طرف نہ جانا، ہماری سیاست درس وتدریس ہے، تصنیف وتالیف ہے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو داعیہ آپ کے دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ سیاست کے ذریعے خدمتِ اسلام کی جائے وہ سوائے نفسانیت

کے کچھ نہیں۔ آپ میں سے جس میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا وہ محض نفسانی ہوگا ایمانی نہیں، الا ماشاء اللہ۔

ہاں اگر حکومت کسی دینی معاملے میں مشورہ کیلئے دارالعلوم کے علماء یا کسی اور عالم کو طلب کرے تو حق کی وضاحت کیلئے ضرور جانا چاہئے، اور جاکر شریعت کا حکم واضح کر دینا چاہئے۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کسی ایسی کمیٹی کا رکن بننے کی دعوت دی جائے جس میں ارکان کی اکثریت عظمتِ دین سے غافل اور دین کے معاملے میں تاویل کوشی ہو اور وہاں جاکر اس بات کا خطرہ ہو کہ اہلِ حق کا وقارِ دینی مجروح ہوگا یا خدانخواستہ دوسروں کی تاویل کوشی میں خود کو حصہ دار بننا پڑے گا تو ایسی رکنیت کو ہرگز قبول نہ کیا جائے، اور ایسی صورت میں اپنے فرائضِ منصبی کے مشاغلِ کثیرہ اور ایسے کام کی عدم صلاحیت و نااہلیت کا عذر کافی ہے۔

البتہ ایک بات آپ کے مقاصد میں داخل ہے، اور وہ یہ کہ آپ اپنے یہاں ایک شعبہ کھول لیں جو درس و تدریس کے علاوہ تبلیغ و اشاعت کا کام کرے، آپ کہتے ہیں کہ منکرات پھیلے ہوئے ہیں، اور اسلام کے خلاف سازش ہو رہی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، قلم دیا ہے اور زبان دی ہے، زبان سے آپ وعظ و نصیحت کیجئے، قلم سے آپ مضامین لکھئے، دینی ماہناموں میں اور اخبارات میں شائع کر دیجئے، بس اتنا کافی ہے، ہمارے حضرتؒ کا یہی طریقہ رہا کہ جہاں کوئی مسئلہ درپیش ہوا مضمون لکھ دیئے، رسالہ لکھ دیا اور شائع کرا دیا۔

آج سے اساتذہ، طلبہ اور منتظمین سب کے سب یہ عزم کر لیں کہ اپنے بزرگوں کی روش پر چلتے رہیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنی فطری صلاحیتوں کے ساتھ قائم رہیں گے اور دارالعلوم کو ایک معیاری اور مثالی دارالعلوم بنائیں گے۔

انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔

ایک خاص و اہم بات اور قابلِ عرض ہے، حضرات منتظمین اور اساتذہ کرام کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاقیات جو دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے، اس طرف ضرور اپنی خصوصی توجہات مبذول فرماویں۔ یعنی درستی و پاکیزگیٔ اخلاق خود بھی اہتماماً عمل کریں اور طلباء کو بھی اس کی اہمیت کی تعلیم دیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر روزانہ اس کے لئے وقت نہ ہو تو کم از کم ہفتہ وار مثلاً جمعہ کے دن، یا کسی اور دن، ناظم اعلیٰ جو مناسب سمجھیں مقرر کر لیں کہ کچھ دیر کے لئے خواہ وہ ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو طلباء کو جمع کر لیا کریں۔ اگر اساتذہ بھی اس میں شریک ہوں تو اور بھی زیادہ مناسب ہے۔ ناظم اعلیٰ خود یا کسی استاذ کو اس کام کے لئے مقرر فرمائیں اور اس موقع پر کوئی کتاب جو اخلاقیات پر مشتمل ہو پڑھ کر سنائیں اور اس کی تشریح کر دیا کریں۔ اس موضوع پر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تصانیف، مواعظ و ملفوظات طبع شدہ موجود ہیں مثلاً تبلیغ دین، حیوٰۃ المسلمین، جزاء الاعمال، اصلاح المسلمین۔ اخلاقیات پر مشتمل مواعظ و ملفوظات جو نہایت سبق آموز اور بصیرت افروز ہیں۔ ان کو سنا کر معمولی تشریح کرنا کافی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بہت ہی نافع اور داعیٔ عمل ثابت ہوتے ہیں اور درسی تعلیم کی روح رواں ہیں۔

اب میں ایک نہایت اہم اور سنگین ضرورت کی طرف حضرات منتظمین اور اساتذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ ہے آپس میں ہم آہنگی اور خلوص و ایثار کی قابلِ قدر ضرورت۔ جس پر دارالعلوم کا وقار اور اعتبار منحصر ہے۔

خوب یاد رکھئے اور حرزِ جان بنایئے کہ آپ کا تعلق اور دارالعلوم سے نسبت آپ کا کوئی نجی اور ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ آپ کا تعلق دین کے ایک معظم و محترم ادارے و درسگاہ سے ہے اس لئے اس کا پاس و ادب ملحوظ رکھنا آپ کا فرض ہے۔ دیکھئے اگر کبھی میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو فوراً نیک نیتی کے ساتھ جلد از جلد آپس میں مل کر اس کو رفع کر لیا جائے، خواہ یہ اختلاف اساتذہ کے درمیان ہو یا اساتذہ و منتظمین کے درمیان ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنا، یا شکوہ و شکایت کا تدارک بالمشافہ جلد نہ کر لینا، یہ یقیناً خباثتِ نفس ہے اور نہایت مذموم ہے، اور انجام کے لحاظ سے شر انگیز ہے اور عاقبت سوز ہے۔ اور عاقبت میں

اندیشہ ہے کہ قابلِ مواخذہ ہے۔ سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ دار العلوم کی چار دیواری کے باہر رسوائی اور بدنامی کا باعث ہے اور یہ اساتذہ اور منتظمین کے وقار پر بہت بدنما داغ ہے۔

اس لئے میں نہایت دلسوزی کے ساتھ اور اپنا حق تعلق محبت ادا کرنے کے لئے یہ بات آپ حضرات کے سامنے عرض کر رہا ہوں، اُمید ہے کہ آپ سب اس کو اپنا شعارِ زندگی بنائیں گے۔ ممکن ہے کہ پھر کوئی اور آپ کو اس لب و لہجہ سے مخاطب نہ کرے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جواناں سعادتمند بہتر پیرِ دانا را

دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دولت تقویٰ سے اور صفائی قلب سے بہرہ اندوز رکھیں اور اپنی یاد اور اپنے ذکر سے ہمیشہ معمور فرمائیں۔ آمین۔

اب دُعا کرلو کہ یا اللہ! ہمارے بزرگوں کو درجاتِ رفیعہ عطا فرمایئے۔ یا اللہ! ان کے اخلاصِ نیت کو بار آور فرمادیجئے۔ ان درسگاہوں کو ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ فرمایئے، یا اللہ! دار العلوم کی ہر طرح نصرت فرمایئے، ہر طرح اعانت فرمایئے اس کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی برکتیں عطا فرمایئے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھئے، یا اللہ! دار العلوم کو کسی کا محتاج نہ بنایئے، یا اللہ! دار العلوم کے اساتذہ، طلبہ، منتظمین، ملازمین اور ان کے متعلقین کو ہر طرح کی عافیت سے نوازیئے، یا اللہ! اس کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی قبر کو انوار و تجلیات سے بھر دیجئے ان کو مقاماتِ عالیہ رفیعہ عطا فرمایئے، یہ دُعائیں آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! آپ نے ایمان کی دولت دی ہے، اعمالِ صالحہ کی توفیق بھی دیجئے۔ ہمیں نفس و شیطان کے مکائد سے محفوظ رکھئے دُنیا بھر کے فتنوں سے محفوظ رکھئے" ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔" ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا، ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا، وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین "۔ یا اللہ! ہمیں عافیتِ کاملہ عطا فرمایئے، یا اللہ! ہمارا ماحول شیطانی ہے، ہمارا ماحول کافرانہ ہے ہماری مدد فرمایئے، ہمیں بُرے ماحول سے بچالیجئے" ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب"۔ یا اللہ! آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع دُعا ہے وہ ہم آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، یا اللہ اس کو ہمارے حق میں، ہمارے اہل وعیال کے حق میں اور سب کے حق میں قبول فرمالیجئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔

انت حسبی انت ربی أنت ولیی فی الدنیا والآخرة وأفوض أمری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

یا اللہ! سب کو عافیتِ کاملہ عطا فرمایئے، سب کو تندرستی عطا فرمایئے، ہمارے اہل وعیال کو ہمارے دوست و احباب کو سب کو تندرست رکھئے۔

میرے لئے بھی دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی اور توانائی عطا فرمائے اور عافیتِ کاملہ عطا فرمائے، یا اللہ! نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہماری دُعائیں قبول کرلیجئے۔ آمین الٰہ العالمین، آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا محمد تقی عثمانی

(آخری قسط)

حضرت علیؓ کا مکان:

کوفہ کے دارالامارۃ کے دائیں جانب ایک قدیم طرز کا پختہ مکان ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مکان تھا۔ یہ بات یہاں اتنی معروف ہے کہ یہ جگہ زیارت گاہِ خاص و عام بنی ہوئی ہے، لیکن اپنے محدود مطالعے میں احقر کو کوئی تاریخی دلیل ایسی نہیں مل سکی جس کی بنا پر یقین سے کہا جاسکے کہ یہ مکان واقعۃً حضرت علیؓ ہی کا تھا۔ کوفہ کے حالات میں احقر کو کہیں اس کا ذکر نہیں مل سکا۔ لیکن اہلِ کوفہ میں یہ بات جس قدر مشہور ہے، کہ اس کے پیشِ نظر یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ یہ واقعۃً درست ہو۔

یہ ایک چھوٹا سا مکان ہے جس کا دروازہ شمال میں کھلتا ہے، اور دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک مختصر سا صحن ہے، جس کی مشرقی دیوار کے دونوں کونوں میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں جنکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اقامت گاہ تھی، مکان کا اصل حصہ مغرب کی طرف ہے، یہاں ایک چھوٹی سی سُرنگ نما راہداری ہے جو ایک چھوٹے سے دالان نما کمرے پر ختم ہوتی ہے۔ جس میں ایک کنواں بھی ہے۔ دالان کی جنوبی دیوار میں ایک دروازہ ہے جو ایک بڑے کمرے میں کھلتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ کمرہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقامت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اسکے جنوب مغربی کونے میں ایک چھوٹا سا آتشدان بھی بنا ہوا ہے۔

مکان کی چھتیں خاصی نیچی ہیں، اور اندازِ تعمیر قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مکان شروع سے اپنے اصل نقشے پر چلا آتا ہے، یعنی اس کو بار بار تعمیر کیا جاتا رہا ہے، یہاں تک کہ اس کی دیواریں اب سیمنٹ کی بنی ہوئی ہیں، لیکن نقشہ وہی رکھا گیا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ مبارک میں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نجف میں :

کوفہ کے بعد نجف کے لیے روانگی ہوئی۔ اب تو کوفہ اور نجف کے درمیان کئی کیلومیٹر کا فاصلہ ہے اور درمیان میں خاصا طویل جنگل پڑتا ہے جس میں کوئی آبادی نہیں ہے لیکن کوفہ کے عہد عروج میں کوفے کی آبادی نجف تک تقریباً مسلسل تھی اور جس جگہ کو اب نجف کہا جاتا ہے اسے قدیم دور میں "ظہر الکوفہ" یا "ظاہر الکوفہ" (کوفہ کا پچھواڑہ) کہا جاتا ہے۔ یہاں ربض اور نجف کے نام سے دو چشمے تھے جن سے آس پاس کے نخلستان سیراب ہوتے تھے اور چونکہ خطرہ یہ تھا کہ ان چشموں کا پانی قریبی قبرستان اور آبادی کو نقصان پہنچائے گا، اس لیے اس علاقے کی زمین کو اس طرح ڈھلوان بنایا گیا تھا کہ اس کی اونچائی کوفہ کی سمت ہے تاکہ پانی کا بہاؤ ادھر کا رُخ نہ کرے۔ (مراصد الاطلاع للبغدادی ص: ۱۳۶۰ ج ۳)

رفتہ رفتہ یہاں آبادی بڑھتی رہی اور کوفہ کی آبادی سمٹتے سمٹتے جامع کوفہ کے آس پاس رہ گئی اور اس طرح یہ پورا علاقہ اس چشمے کے نام پر "نجف" کہلانے لگا، جو ایک مستقل شہر بن گیا۔

آجکل نجف میں شیعہ صاحبان کی ایک بڑی درس گاہ ہے اور ان کے مراجع میں سے ایک اہم مرجع آقائے خوئی کا قیام بھی یہیں ہے بلکہ نجف شہر میں داخل ہونے کے بعد ہمارے رہنما نے ہمیں وہ مکان بھی دکھایا جس میں ایرانی انقلاب کے رہنما خمینی صاحب سالہا سال عراقی حکومت کے سرکاری مہمان کی حیثیت سے مقیم رہے۔

نجف کی مختلف سڑکوں سے گزر کر ہم اس شاندار سنہری عمارت کے پاس پہنچے جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفون ہونا تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے، اگرچہ اب یہ بات تواتر کے ساتھ مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت علیؓ کا مزار یہی ہے لیکن حضرت علیؓ کے مقامِ تدفین کے بارے میں تاریخی روایات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ کوئی بات یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں اس سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ احمد بن عبداللہ العجلیؒ کہتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کوفہ میں شہید کیا اور حضرت حسنؓ نے عبدالرحمٰن بن ملجم کو قتل کیا۔ حضرت علیؓ کو کوفہ میں دفن کیا گیا لیکن ان کی قبر کی جگہ معلوم نہیں ہے"

ابن سعدؒ کا کہنا ہے کہ "حضرت علیؓ کو کوفہ میں جامع مسجد کے قریب قصر الامارۃ میں دفن کیا گیا"۔ ابو زید بن طریفؒ کہتے ہیں کہ "جامع مسجد کی دیوار قبلہ کے ساتھ باب الوراقین کے سامنے ایک گھر ہے حضرت علیؓ اس میں مدفون ہیں"۔ یہ گھر یزید بن خالد نامی ایک صاحب کا تھا، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی موقع پر اس گھر کو کھودنا پڑا تو اس میں سے حضرت علیؓ کی نعش مبارک تر و تازہ برآمد ہوئی۔

بعض روایات میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ دفن تو کوفہ میں ہی ہیں لیکن حضرت حسنؓ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں آپ کی نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے اور وہاں حضرت فاطمہؓ کے مزار کے قریب جنۃ البقیع میں آپکو دفن کیا گیا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو شہادت کے فوراً بعد ہی ایک تابوت میں رکھ کر ایک اونٹ پر سوار کرا دیا گیا تاکہ انہیں مدینہ طیبہ لے جائیں لیکن راستے میں قبیلۂ طے کے علاقے میں پہنچ کر وہ اونٹ گم ہو گیا، قبیلہ طے کے لوگوں نے اس صندوق کو خزانہ سمجھ کر اٹھا لیا، لیکن جب اندر نعش دیکھی تو اسے وہیں اپنے علاقے میں دفن کر دیا۔

ابوجعفر حضرمیؒ جو "مطین" کے لقب سے مشہور ہیں' فرماتے ہیں کہ آج (نجف میں) جس قبر کو لوگ حضرت علیؓ کی قبر سمجھ کر اس کی زیارت کرتے ہیں، اگر وہ واقعتاً حضرت علیؓ کا مزار ہوتا تو میں دن رات وہیں رہا کرتا، لیکن در حقیقت وہ حضرت علیؓ کا مزار نہیں ہے اور جن صاحب کا وہ مزار ہے اگر ان کا نام روافض کو معلوم ہو جائے تو وہ اس قبر کی زیارت کرنے کی بجائے اسے سنگسار کرنے کی کوشش کریں، یہ صاحبِ مزار دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔"

ان تمام روایات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد الخطیبؒ ص ۱۳۶ تا ۱۳۸ ج ۱)

ظاہر ہے کہ ان متضاد روایات کے پیشِ نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مزار کے بارے میں کوئی بھی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔

کربلا کا سفر:

نجف سے ہم کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے ایک خاصی کشادہ اور صاف ستھری سڑک کربلا جاتی ہے جس کے دونوں طرف حدِ نظر تک لق و دق صحرا اور ریگستان نظر آتے ہیں۔ بیچ بیچ میں کہیں کہیں اونٹوں کے قافلے محوِ سفر دکھائی دیے جنہوں نے صدیوں پرانے قافلوں کی یاد تازہ کردی۔ اب کربلا تو ایک بارونق شہر ہے اور وہاں پہنچ کر اس صحرائے کربلا کا تصور ناممکن ہے جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا لیکن نجف سے کربلا جاتے ہوئے راستے میں جو ریگ زار دکھائی دیتے ہیں انہیں دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سرزمین کیسی دشوار گزار اور مسافروں کے لیے کتنی صبر آزما رہی ہوگی۔

تقریباً ظہر کے وقت ہم کربلا شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر اب خاصا بارونق اور شاید کوفہ اور نجف دونوں کے مقابلے میں زیادہ آباد ہے۔ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حادثۂ شہادت پیش آیا۔ اس وقت یہ ایک لق و دق صحرا تھا۔ اس پورے علاقے کو زمانۂ قدیم میں "طف" کہتے تھے اور یہ خاص صحرا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ کربلا کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ لفظ "کَرْبَلَة" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پاؤں کے تلوں کی نرمی کے ہیں۔ یہ زمین چونکہ نرم تھی اس لیے اس کا نام "کربلاء" رکھ دیا گیا۔ "کربلا" عربی زبان میں گندم صاف کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سرزمین میں چونکہ روڑے پتھر نہیں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زمین کو باقاعدہ صاف کیا گیا ہے اس لیے اسے "کربلا" کہتے تھے۔

اس کے برعکس ——— بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ "کُرْبُل" سے نکلا ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی گھاس کا نام ہے جو اس صحرا میں بکثرت پائی جاتی ہے اس لیے اس کا نام کربلا مشہور ہوگیا۔ (معجم البلدان للحمویؒ ص ۴۴۵ ج ۴) واللہ اعلم

کربلا پہنچ کر ہم سب سے پہلے اس عمارت پر حاضر ہوئے جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کا مزار ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کے مزار کے بارے میں بھی روایتیں بہت مختلف ہیں۔ عام طور سے مشہور یہ ہے کہ آپ کا جسم مبارک تو کربلا ہی میں مدفون ہے لیکن سرِ مبارک چونکہ یزید کے پاس دمشق لے جایا گیا تھا۔ اس لیے وہ یہاں مدفون نہیں۔ پھر سرِ مبارک کے مزار کے نام سے مختلف شہروں میں بڑی بڑی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ اگر یہ روایت درست ہو کہ سرِ مبارک یزید کے پاس شام لے جایا گیا تھا تو اس کا دمشق میں مدفون ہونا تو کچھ سمجھ میں آتا ہے لیکن ایک عظیم الشان مزار قاہرہ میں جامع ازہر کے سامنے بھی بنا ہوا ہے اور یہ پورا محلہ "سیدنا الحسینؓ" کے نام سے مشہور ہے۔

بہر صورت ! سر مبارک کے بارے میں تو روایات بہت مختلف ہیں، لیکن جسم مبارک کے بارے میں قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کربلا میں مدفون ہوگا۔ اگرچہ اس کی خاص جگہ کا تعیین تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے۔ امام ابونعیم مشہور محدث اور مؤرخ ہیں۔ ان سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی جگہ دریافت کی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ (تاریخ بغداد للخطیب ج۱۲ ص۲۷۹، ۱)

کربلا میں دوسرے مزارات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس اور صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ وغیرہ کے ہیں۔ یہاں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور سانحۂ کربلا کے دلگداز واقعات ایک ایک کرکے نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ اس وقت دریائے فرات یہیں قریب ہی بہتا ہوگا۔ اب یہاں سے کچھ دور چلا گیا ہے۔ خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عالی مقام افراد نے مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر اس دشتِ کربلا میں جان دینے کو یقیناً کسی دنیا طلبی کی خاطر گوارا نہیں کیا تھا۔ ان کا مقصد رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بغداد میں آخری رات:

کربلا سے واپس بغداد پہنچے تو مغرب کا وقت قریب تھا۔ یہ بغداد میں ہمارے قیام کی آخری رات تھی۔ کچھ دیر ہوٹل میں آرام کے بعد رات کو ہم دجلہ کے کنارے جا نکلے۔ موسم میں بڑی خوشگوار خنکی تھی اور دجلہ پوری آب و تاب کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ اس تاریخی دریا میں ایک مچھلی مقامی زبان میں "بُنّی" کہلاتی ہے، جو بڑی لذیذ اور بُو سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ بغداد میں اسے پکانے کا بھی ایک منفرد طریقہ رائج ہے۔ اسے بیچ سے چیر کر ایک تنور پر تقریباً بیس پچیس منٹ سینکا جاتا ہے اور وہ اس مختصر وقت میں تیار ہو جاتی ہے۔ اسے "سمک مزگوف" کہتے ہیں۔ دجلہ کے کنارے "سمک مزگوف" تیار کرنے والوں کے ریسٹورنٹ دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس روز بغداد کے اس مخصوص کھانے کا لطف اٹھایا۔ اس کے بعد میں اور محترم قاری بشیر احمد صاحب مدظلہم دیر تک دجلہ کے کنارے ٹہلتے رہے۔ دریا کے دونوں کناروں پر بنی ہوئی شاندار عمارتوں کی روشنیاں پانی میں منعکس ہو کر عجیب و غریب رنگ پیدا کر رہی تھیں۔ یہ وہی دجلہ تھا جس کے کنارے کبھی عباسی خلفاء کے شاندار محلات ہوا کرتے تھے، یہی وہ دجلہ تھا جو تاتاری حملے کے دوران کبھی خونِ مسلم سے سرخ ہوا، اور کبھی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ۔ اس نے مسلمانوں کے عروج و زوال کی کتنی داستانیں دیکھی ہیں، تاریخ کے نہ جانے کتنے راز اپنی لہروں میں چھپائے یہ آج بھی اسی آب و تاب سے بہہ رہا ہے لیکن اس دریا کے کنارے مسلمانوں نے جو تابناک تہذیب دنیا کو عطا کی تھی، اس کا تصور کرنے کے لیے آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں اور دماغ پر زور ڈال کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ؎

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!

حیاتِ عثمانی

بحمد للہ نہایت ہی حسین و دلکش کتابت و
طباعت کے ساتھ منظرِ عام پر آچکی ہے

تالیف

پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بانیان پاکستان میں سے تھے، آپ کے حالاتِ زندگی اور علمی و عملی کارناموں پر از پیدائش تا وفات، مفصل بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم حضرات کیلئے سامانِ بصیرت و بصارت ہے۔

کتاب کے شروع میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا پیش لفظ قابلِ مطالعہ ہے۔

دبیز آرٹ پیپر پر حسین طباعت، ہر پیراگراف ممتاز، جابجا عنوانات مفصل فہرست اور استفادہ نہایت آسان۔ ریگزین کی دلکش ترین جلد۔ قیمت ۸۰/= روپے

ناشر:

مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴

شاہ بلیغ الدین

مردِ مجاہد

حضرت ابو عقیل انصاری کا واقعہ شہادت

میدانِ جنگ میں ایک آواز گونجی ۔ اے انصار! اللہ سے ڈرو، آگے بڑھو اور اپنے دُشمن پر پل پڑو! ـــــ یہ معنؓ بن عدی کی آواز تھی۔ دوسری سمت سے نعرہ لگا کہ ـــ ہمیں چھانٹ دو! دوسروں سے الگ کردو! ہم جاں بیچ کے لڑنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی دلاورانِ انصار ہی میں سے ایک جوانمرد کی آواز تھی۔ طبقات میں ہے یہ نعرہ حضرت عُبادؓ بن بشر کی زبان پر تھا۔ یہ نعرے گونج ہی رہے تھے کہ معنؓ بن عدی لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے بھائیوں کے پاس آئے اور اپنے قبیلے کے ایک ایک آدمی کو چھانٹ کر الگ کھڑا کیا اور جب سب مجاہد اکٹھے ہو گئے تو یہ دلاورانِ صف شکن اللہ کے نام پر جنگ کی بھٹی میں کود پڑے۔ فتح یا شہادت! دونوں میں سے ایک ہی صورت انھیں منظور تھی۔ یہ کُل چار سو جانباز تھے۔ جانباز کیا جنّت کے شہسوار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ انھیں کوئی چیز پیاری نہ تھی۔ نہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ اپنی جان! عُباد بن بشرؓ، معنؓ بن عدیؓ۔ ابو دُجانہؓ۔ براء بن مالکؓ ان شہسواروں کے آگے آگے تھے۔ موت سے پیمان باندھے یہ اللہ کے سپاہی یوں دشمن کے لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے جیسے امڈتے، جھپٹتے کالے کالے اُودے اُودے بادل! بجلی کی طرح کڑکتے یہ دُشمن کی صفوں پر یوں جا گرتے جیسے شیر اپنے شکار پر! یہ محرم سنہ ۱۲ ہجری کی بات ہے جب مسلمان جھوٹے نبیوں کے فتنے ہٹاتے آخر میں یمامہ میں جمع ہوئے تھے۔ یہ لڑائی وادیٔ ریاض میں عقرباء نامی جگہ میں ہو رہی تھی۔ جہاں مُسیلمہ کذّاب اپنے لشکر کی خود کمان کر رہا تھا۔ تیس ہزار سے زیادہ کا یہ لشکر اُس دَور کے جدید ترین اسلحے سے لیس تھا۔ جس میدانِ جنگ کا اُنھوں نے انتخاب کیا تھا اُس کے چپے چپے سے وہ واقف تھے۔ اُن کے مورچے بنے ہوئے تھے اور اُنھیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کے لئے کس طرف ڈھکیلنا مفید ہوگا۔ اپنی جنگی مشقوں اور جنگی چالوں پر اُنھیں اس درجہ اعتماد تھا کہ وہ اس

لڑائی میں ہارنے کا تصور بھی نہ کرتے تھے۔ یہ بات انھوں نے عام کر دی تھی کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہی اسلام بھی ختم ہوگیا۔ اب نہ پیغمبر رہا، نہ اُن کی اُمت باقی رہی۔ یہ جو چند لوگ جہاد کے نام پر نکلے ہیں یہ مفاد پرست ہیں۔ نہ ان میں حوصلہ ہے نہ جُرأت کہ ہمارا مقابلہ کر سکیں! ادھر اللہ کے سپاہی سر سے کفن باندھ کر آئے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سپہ سالار تھے اور کُل تیرہ ہزار کی فوج اُن کے ساتھ تھی۔ بہت سے بدری صحابہ اور کلام اللہ کے حافظ بھی اسلامی لشکر میں شریک تھے۔ خلیفۃ الرسل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بدری صحابہ سے خاص طور پر خواہش کی تھی کہ وہ اس لشکر میں شامل ہو جائیں کہ ان کے ساتھ بہت سی برکتیں وابستہ تھیں۔

جب یہ آواز گونجی ہے کہ ــ اے انصار! خدا سے ڈرو آگے بڑھو اور اپنے دشمن پر حملہ کرو تو اس وقت جنگ بڑے نازک مرحلے میں داخل ہوگئی تھی۔ مسلمان دُشمن کے طوفانی حملوں کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ گئے تھے ــ اس قدر کہ اپنے خیموں میں جا پہنچے تھے۔ یمامہ والوں نے یہاں پہنچ کر رسیاں کاٹ دیں، چوبیں اکھاڑ دیں۔ مسلمانوں کے خیمے گرا دیئے۔ یمامہ کا معرکہ اِس وقت تک کی لڑائیوں میں سب سے زیادہ سخت معرکہ تھا۔ مسلمانوں کے قدم میدانِ جنگ سے اُکھڑ رہے تھے۔ شکست صاف نظروں کے سامنے تھی۔ مُسیلمہ کذاب کے دل اور آندھی کی طرح چڑھے آرہے تھے۔ مسلمانوں کے لئے حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔

جعفر بن عبداللہ بن اسلم ہمدانی کی روایت طبقات میں ہے کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کے جو مجاہد سب سے پہلے زخمی ہوئے وہ ابوعقیلؓ تھے۔ وہ سر ہتھیلی پر لئے اس طرح لڑ رہے تھے کہ دیکھنے والے کو یقین نہ آتا تھا کہ آدمی میدانِ جنگ میں اتنا بےخوف بھی ہو سکتا ہے۔

ابو عقیلؓ کا نام عبدالرحمٰن الاراشی الانیفی بن عبداللہ بن تعلبہ تھا۔ ایمان لانے سے پہلے یہ عبدالعزیٰ کہلاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن نام رکھا۔ ساتھ ہی آپ عدو الاوثان کہلائے ــ بتوں کے دُشمن! ــ حضرت ابوعقیلؓ شرکائے بدر میں سے ہیں۔ وہ احد اور خندق کے معرکوں میں بھی شریک تھے۔

میدانِ یمامہ میں ایک تیر ان کے بائیں طرف آلگا تھا ــ دِل سے ذرا ہٹ کر شانے کی طرف! اُنھیں فوراً میدانِ جنگ سے ہٹا دیا گیا۔ اِس لئے کہ زخم بہت مہلک تھا۔ خیمے میں لاکر اُن کا تیر نکال دیا گیا۔ بچ تو گئے لیکن بایاں ہاتھ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ مرہم پٹی کر کے انہیں کجاوے میں بٹھا دیا گیا اس لئے کہ وہ اب لڑائی کے قابل نہ رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں جب معنؓ بن عدیؓ کی آواز گونجی اور انصار اپنا گروہ بنا کر میدانِ جنگ سے نکلنے لگے تو ابوعقیلؓ کجاوے سے اُتر کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا۔ ابوعقیلؓ کیا ارادہ ہے؟ تم تو لڑائی کے قابل نہیں! ابوعقیلؓ نے کہا ــ آپ نے سُنا نہیں کیا آواز لگائی جا رہی ہے۔ انصار ایک جگہ جمع کئے جا رہے ہیں۔ میرا نام بھی پکارا گیا ہوگا! حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا ــ پکارنے والا صرف اے انصار کہتا ہے اور اگر تمام انصار جمع کئے جا رہے ہوں تو بھی کیا؟ زخمیوں کو تو نہیں بلایا جا رہا ہے اور پھر زخمی بھی تم جیسا؟ ابوعقیلؓ نے کہا ــ جو کچھ بھی ہو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوں ضرور جواب دوں گا۔ ابوعقیلؓ بہت زخمی تھے اُن کی ہمت دیکھیے بولے کہ ــــ چاہے مجھے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے جانا پڑے لیکن میں جاؤں گا ضرور! یہ کہہ کر کمر باندھی تلوار سونت کر آگے بڑھے۔ آواز لگاتے جا رہے تھے ــ اے انصار! جنگِ حُنین کی طرح دوبارہ حملہ کرو! دوبارہ! اللہ رے جگر داری جس نے انہیں اس

حال میں دیکھا اس کا حوصلہ پلٹ آیا۔ مسلمان جو پیچھے ہٹ گئے تھے آگے بڑھے۔ ٹوٹ کر دشمن پر جا گرے۔ اہلِ یمامہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اُن کی جیتی ہوئی بازی یوں پلٹ سکتی ہے لیکن چند دلیروں نے مل کر یہ بازی پلٹ دی۔ اُن میں زید بن خطاب رضؓ بھی تھے، ابو حذیفہؓ بھی، براءؓ بھی، ابو دجانہؓ بھی، عبداللہ بن حفصؓ بھی! یہ جیالے یوں لڑتے تھے جیسے آہن و فولاد کے بنے ہوئے ہوں۔ آندھی کی طرح آگے بڑھتے تھے۔ زخمی ابو عقیلؓ ع

اِک مشتِ خاک تھے مگر آندھی کے ساتھ تھے

دُشمن اُمڈ کر گرج کر جھپٹ کر ان پر ٹوٹتے رہے لیکن مجاہدانِ صف شکن کی تلواریں برقِ تپاں تھیں کہ ہر خرمن کو پھونکتی رہیں۔ دشمن جو بڑھ کر اسلامی لشکر کے خیموں میں آگھسے تھے، پیچھے ہٹے تو ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ اپنے باغ میں جا گھسے اور قلعہ بند ہو گئے لیکن کہاں کا باغ کدھر کا قلعہ کیسی فصیل جہاں اللہ کے سپاہیوں میں ابو عقیلؓ جیسے جانباز ہوں وہاں کوئی رکاوٹ بھر رکاوٹ بھی بن کر رہ سکتی تھی! مسلمان فصیل پر چڑھ گئے اور دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ میں، نیزوں کی زد میں ان پر جا گرے۔ یہ باغ یمامہ والوں کے لئے پناہ گاہ نہیں وادیٔ موت بن گیا اور بعد میں حدیقۃ الموت ہی کہلایا۔ مسیلمہ مارا گیا۔ اور اُس کے لشکر کے اکیس ہزار مرتد موت کے گھاٹ اترے۔ ابنِ سعد لکھتے ہیں مسیلمہ حضرت ابو عقیلؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ غالباً دو چار لوگوں نے اس پر حملہ کیا تھا انہی میں حضرت ابو عقیلؓ بھی تھے۔ یہی صحیح بخاری میں وحشی کی روایت بھی ہے۔ حملہ آوروں میں سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ۔۔ لڑائی تھم گئی تو مجھے ابو عقیلؓ کا خیال آیا۔ میں انھیں ڈھونڈنے نکلا۔ وہ باغ میں ایک طرف پڑے سسک رہے تھے۔ سانس سینے میں کھیل رہی تھی کہ میں پہنچا۔ کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ ہوش میں ہیں یا نہیں۔ میں نے آواز دی ۔۔ ابو عقیلؓ! جواب میں بولے ۔۔ لبیک! پھر بڑی نحیف آواز میں انھوں نے پوچھا کہ ۔۔ لڑائی کا کیا نتیجہ نکلا؟ ابنِ عمرؓ نے جواب دیا کہ ۔۔ آپ خوش ہوں کہ اللہ کے فضل سے ہمیں فتح ہوئی۔ بولے ۔۔ اللہ کا دشمن قتل ہوا اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ مراد مسیلمہ کذاب سے تھی۔

ابنِ عمرؓ کھڑے ہی تھے اور جانے کیا کیا سوچ رہے تھے کہ بہادر کی سانس اکھڑ گئی اور وہ اپنے پروردگار سے جا ملا۔ حالت یہ تھی کہ بایاں ہاتھ شانے سے کٹا ہوا پاس ہی پڑا تھا۔ جسم پر زخموں کے چودہ (۱۴) نشان تھے۔ حضرت عبداللہ بنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ ہر زخم کاری تھا۔ اللہ ہی جانے وہ کس طرح لڑتے رہے!

(زیرِ ترتیب کتاب بزمِ الف لام میم کا ایک مضمون)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

حضرت مولانا محمد شریف صاحب

خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

شفقت علی الطالبین کی شان:

حضرت والا کے وصال سے تقریباً ۲۵ سال پہلے جب احقر کے شیخ اول حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا تو احقر پر صدمہ کا گویا ایک بہت بڑا پہاڑ گرا خود شیخ کی وفات بہت بڑا حادثہ۔ پھر احقر کو اطلاع بھی تقریباً ایک ہفتہ بعد ہوئی جیسے حضرت والا کے جنازہ کی اطلاع بھی احقر کو جنازہ کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہوئی شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ احقر اپنی کمزوری کی وجہ سے زیارت بعد الوفات کی تاب نہ لاسکتا یا احقر کی شامتِ اعمال استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ کہ نہ شیخ اول کا جنازہ نصیب ہوا نہ شیخ ثانی کا۔ یا اللہ مجھے معاف فرما۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت ہمارے خاندان میں بھی ایک بہت بڑا حادثہ پیش آچکا تھا اس کا بھی احقر کے دل پر شدید صدمہ تھا۔ ان صدموں کی شدت سے احقر کو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ ایسی حالت میں احقر نے درد بھرا خط حضرت والا کی خدمت میں لکھا اور اپنے دکھ کی کہانی بیان کی اور نہایت عاجزی سے تعلیم و تربیت کی درخواست پیش کی۔ حضرت والا نے نہایت شفقت و عنایت اور ذرہ نوازی سے قبول فرمایا اور ان صدموں میں صبر حاصل ہونے کے لئے نہایت تسلی و تشفی کی تحریریں فرماتے رہے اور احقر بھی کبیر والا سے ملتان بہت جلدی جلدی حاضر ہوتا رہا حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت والا کی برکت سے اور مصلحانہ سعی سے احقر کی طبیعت اعتدال پر آگئی۔ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے بعد مولائے کریم نے پچیس سال احقر کو حضرت والا سے استفادہ کا بے بہا موقع عطا فرمایا۔ ہر ہر قدم پر کامل رہنمائی نصیب ہوئی۔ بارہا آزمایا جب کوئی پریشانی۔ مصیبت۔ حادثہ پیش آیا۔ انتہائی شفقت و دلسوزی سے زبانی یا بذریعہ خط ایسے ایسے ارشادات فرمائے کہ زخموں پر شفقت

کا پکھا ہار کھ دیا۔ ایک دفعہ ایک حادثہ میں احقر کا کچھ نقصان ہو گیا تو خط کے جواب میں یہ شعر تحریر فرمایا ؎

خدا گر بحکمت ببندد درے
بفضلش کشاید درے دیگرے

یہ شعر احقر کے سینے میں ایسا گڑ گیا کہ ہر مصیبت اور تکلیف میں فوراً یہ شعر یاد آ جاتا ہے اور انتہائی سکون نصیب ہو جاتا ہے۔ مصائب میں کثرت سے حضرت والا سے سُنا کہ حق تعالیٰ کے حاکم اور حکیم ہونے کے مراقبہ سے عقلی غم دُور ہو جاتا ہے اور طبعی غم کے دُور ہونے کی کوئی تدبیر نہیں، وقت گذرنے سے آہستہ آہستہ دُور ہو جاتا ہے۔

ایک معاملہ میں احقر کے شفیق اُستاد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ احقر سے شدید ناراض ہو گئے اِسی سلسلہ میں احقر کو خیر المدارس میں پڑھانے کی خدمت چھوڑ کر دار العلوم کبیر والا حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں آنا پڑا حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جو ملتان ہی میں قاسم العلوم میں شیخ الحدیث تھے انہوں نے کبیر والا تشریف لاکر فرمایا بھی تھا حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے خطاب فرماتے ہوئے کہ سرور کو آپ ملتان سے یہاں کبیر والا لے آئے ہیں ہم خیر المدارس کے پڑوسی ہیں ہمیں حق شفعہ حاصل ہے۔ غرض حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ احقر سے شدید ناراض تھے خط و کتابت کے ذریعہ سے اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے احقر نے راضی کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ حضرت والا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی انتھک کوششیں تھیں اور بار بار سفارشیں تھیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ دل سے معاف فرما دیا بلکہ دوبارہ خیر المدارس احقر کو لانے کیلئے بہت اصرار فرمایا۔ لیکن حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نہ مانے۔ معاف فرمانے کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ متعدد بار کبیر والا میں ہمارے ہاں تشریف لائے بلکہ ایک دفعہ احقر گھر پر بھی نہ تھا پھر بھی گھر پر تشریف فرما رہے اور احقر کی بیوی کو اپنی بیٹی ہی بنا لیا حضرت والا کی اتنی کوششوں اور شفقتوں پر اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وسعت ظرف پر دل و جان سے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ یا اللہ ان حضرات کے درجات بلند فرما اور ان کے طفیل احقر جیسے ناکارہ کی بھی بخشش فرما کہ عذاب کا تحمل نہیں عذاب کا تحمل نہیں عذاب کا تحمل نہیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

احقر کو بھی جب بھی کوئی مشقت۔ گنجلک۔ پریشانی پیش آئی حضرت والا نے پوری کوشش اور محنت سے احقر کو اس آزمائش میں کامیابی و کامرانی سے بفضلہ تعالیٰ ہمکنار فرمایا اور احقر یہ سمجھتا ہے کہ سب مریدین کے ساتھ حضرت والا کا معاملہ ایسا ہی تھا سبحان اللہ، شیخ ہو تو ایسا ہو۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد خیر المدارس کے انتظامی معاملات میں جو طویل انتشار رہا اور قدم قدم پر شدید مشکلات پیش آتی رہیں انکے سلجھانے میں بھی حضرت والا نے بے انتہا کوششیں فرمائیں۔

ایک دفعہ احقر اور اہلیہ میں کچھ چپقلش ہو گئی۔ اہلیہ بھی حضرت والا کی مریدنی ہے حضرت والا نے دونوں سے تفصیل سن کر ہر ایک کو مناسب تنبیہ فرما کر صلح صفائی ایسی کرائی کہ پھر آج تک ایسی نوبت نہیں آئی

جامعہ اشرفیہ میں احقر کی ایک مدرس صاحب سے کچھ رنجش ہو گئی تو جامعہ اشرفیہ لاہور میں تشریف لا کر تین دفعہ اپنے سامنے معانقہ کرایا اور صلح کرا دی اور جسکی غلطی تھی اسکو تنبیہ فرما دی۔

حضرت والا کی شفقت کی انتہا یہاں تک پہنچی کہ ایک نوازش نامہ میں احقر کے خط کے جواب میں احقر کو "جان سے زیادہ عزیز" کا لفظ تحریر فرمادیا اس شفقت کے اظہار کیلئے احقر کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ احقر ان الفاظ کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اس لئے احقر نے وصیت لکھ دی ہے کہ اس خط کو جلا کر احقر کے ساتھ دفن کر دیا جائے حضرت والا کو دکھا کر سفارش کراؤنگا انشاء اللہ تعالیٰ اور یہ سفارش کا طریقہ بھی حضرت والا ہی سے سیکھا ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ایک خط کے جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا تھا کہ آج معافی کی جگہ کوئی فرمائش کی ہوتی۔ حضرت والا نے وصیت فرمائی کہ اس خط کو جلا کر میرے ساتھ دفن کر دیا جائے قیامت کے دن بخشش کروانے کی اور سفارش کی فرمائش کرونگا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل بھی ہو چکا ہے اس خط کو جلا کر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رومال میں لپیٹ کر حضرت والا کی گردن مبارک کے نیچے رکھ دیا گیا۔

حضرت والا کی احقر پر شفقت اور احقر کی بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ساتھ مناسبت جو مرید اور شیخ کے درمیان ضروری ہے اسکا ظہور ایک عجیب غیر اختیاری طور پر ہوا اور اس آیت کے معنیٰ بھی ذہن نشین ہوئے اولم نعمرکم مایتذکر فیہ الخ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائینگے کہ ہم نے تمہیں نصیحت پکڑنے کیلئے عمر بھی دی اور ڈرانے والا بھی آیا۔ اس ڈرانے والے کا

اصل مصداق تو بی ہوتا ہے بعض مفسرین نے پوتے کو بھی ایک درجہ میں نذیر کا مصداق قرار دیا ہے کہ پوتا بھی ڈراتا ہے کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں آپکی جگہ لینے کیلئے میں آگیا ہوں۔ حضرت والا کا وصال بھی حضرت والا کے پوتے ظریف صاحب کے لڑکے طلحہ کی پیدائش کے صرف ۱۳ دن بعد ہوا اور احقر کے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال بھی احقر کے بیٹے محمد عتیق الرحمٰن کی پیدائش کے ۱۸ دن بعد ہوا اور پھر والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کی خبر بھی احقر کو حضرت والا نے دی اور اس اطلاع دینے میں بھی انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا۔ جمعہ کا دن تھا احقر کبیر والا سے ملتان حاضر ہوا۔ حضرت والا کی عجیب تواضع وعبدیت تھی کہ جب بھی احقر حاضر خدمت ہوتا ہر نماز میں احقر کو امام بناتے اور جمعہ کا وقت ہوتا تو احقر سے تقریر کرواتے اور خود سنتے۔ احقر عذر بھی کرتا لیکن حضرت والا کمال عبدیت کی وجہ سے عذر قبول نہ فرماتے اس دفعہ احقر نے ارادہ کیا کہ کسی طرح چھپ کر بیٹھنا ہے اور حضرت والا کا بیان جمعہ کے موقعہ پر سننا ہے۔ چنانچہ احقر دولت کدہ پر حاضر نہ ہوا۔ سیدھا مسجد میں چلا گیا اور سر پر ایسے طریقہ سے رومال ڈالا کہ پیچھے سے کسی کو چہرہ نظر نہ آئے اور پہلی صف میں بائیں طرف آخر میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا اور احقر کے خیال میں کسی واقف نمازی نے احقر کو بیٹھنے سے پہلے نہیں دیکھا احقر خوش تھا کہ آج ضرور حضرت والا کی تقریر مبارک سننے کا موقعہ مل جائیگا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ دروازہ کی طرف سے آواز آئی سرور احقر نے مڑ کر دیکھا تو حضرت والا احقر کی طرف نہایت غم واندوہ کے ساتھ دیکھ رہے تھے لیکن احقر کو فوری طور پر والد صاحب کی وفات کی اطلاع نہ فرمائی عجیب شفقت تھی اپنے مریدین پر متعلقین پر۔ دو تین جملے پہلے ایسے فرمائے جن سے آہستہ آہستہ غم شروع ہو ایسا نہ ہو کہ اچانک خبر سے دل پر زیادہ اثر ہو جائے۔ دیکھو ایک حادثہ پیش آ گیا۔ چوہدری محمد رمضان صاحب کے ساتھ ایک حادثہ پیش آگیا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ عجیب شفقت تھی۔ اگر شیخ مریدین پر شفقت نہ ہو تو انکی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ سختی کے موقع میں سختی بھی ضروری ہے۔ عام حالات میں شفقت نہایت ضروری ہے۔ یہی حال مولائے کریم کا بندوں کے ساتھ ہے اصل شفقت ہے لیکن سزا کے موقعہ میں سزا بھی دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہ السلام اور مشائخ مظاہر حق تعالیٰ ہوتے ہیں۔ اور اسی طرز سے واصل حق تعالیٰ کرتے ہیں۔ اور عادت اللہ جاری ہے کہ بلا شیخ وصول الی اللہ نہیں ہوتا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

ہر ہر کمال میں حضرت والا کی عجیب شان تھی۔حضرت والا عجیب تھے۔عجیب وغریب تھے حضرت والا کی ہر ادا عجیب تھی

بسیار خوباں دیدہ ام
مہر بتاں ورزیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

بڑے بڑے مشائخ ہیں لیکن کسی پر نگاہ نہیں جمتی

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیالِ ماہے
چہ کنم کہ چشمِ بدبیں نکند بکس نگاہے

اور اصلاح باطن کا اصول بھی یہی ہے کہ پہلے خوب جستجو سے شیخ تلاش کرے۔ جب شیخ محق اور محقق مل جائے تو پھر سب طرف سے آنکھیں بند کرکے ورنہ فیض نہ ہوگا اسکو وحدت مطلب کہتے ہیں۔ یک راگیر ومحکم گیر۔ جو کئی طرف بھاگے پھرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے

دلآرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ایک دفعہ حضرت والا نے بواسطہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بعد عام علماء ومشائخ کی مجلس میں کبھی جانا ہوتا بھی ہے تو دل سے یہ آواز بلا اختیار آتی ہے کہ یہاں رکھا ہی کیا ہے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ خوشی ومبارکباد کا اظہار فرمایا اور اسے آثار عشق میں سے شمار فرمایا۔

وفات حسرت آیات کا ذکر

حضرت والا کی حیات طیبہ کا آخری پندرہ سال کا عرصہ احقر کے اندازے میں زیادہ تر بیماری اور کمزوری ہی میں گذرا۔ معدہ کا دو دفعہ آپریشن ہوا ایک گھٹنے میں بہت درد رہا۔ دل کے دورے بھی پڑتے رہے۔ اسہال کی تکلیف بھی متعدد بار رہی حضرت والا نے نہایت صبر و استقلال سے بلکہ خندہ پیشانی سے ان منازل کو طے فرمایا اور باوجود نہایت کمزوری و بیماری کے احباب سے ہشاش بشاش ہی ملتے رہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں اپنے آپ کو موت کیلئے بالکل تیار پاتا ہوں۔ آخری تین ماہ کے قریب حضرت والا کو معدہ کی بہت تکلیف رہی حتیٰ کہ وفات سے تقریباً اڑھائی ماہ پہلے حالت انتہائی نازک درجہ تک پہنچ گئی لیکن حق تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوا کہ طبیعت سنبھلنی شروع ہو گئی۔ اس سے پہلے بھی کم از کم دو دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ امید بہت کم رہ گئی لیکن حق تعالیٰ فضل فرماتے رہے اور طبیعت سنبھل جاتی رہی۔ ۱۱ اپریل ۱۹۸۵ء بروز جمعرات ڈاکٹر حضرات کے مشورہ سے حضرت والا کو ایکسرے کیلئے کار میں لے جایا گیا کیونکہ گذشتہ تین چار دن سے سینہ مبارک میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ اور خون ٹیسٹ کرنے سے اندازہ لگایا گیا تھا کہ پھیپھڑوں نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ ہمت کا یہ حال تھا کہ اس حالت میں بھی بستر سے کار تک پیدل جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا حضرت والا کے چھوٹے صاحبزادہ ظریف صاحب نے نہایت کمزوری دیکھتے ہوئے اٹھا لیا اور کار میں بٹھا دیا۔ ایکسرے کرا کے واپس بستر پر پہنچا دیا گیا اور بعد دوپہر ظریف صاحب ساڑھے تین بجے اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ اہلیہ محترمہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ جب ظریف صاحب بھی چلے گئے اور قاری اسحاق صاحب جو حضرت والا کے آخری ایام میں بہت خدمت گذار رہے ہیں اور حضرت والا کے مجاز بیعت بھی ہیں وہ بھی چلے گئے تو فرماتی ہیں کہ میں حضرت والا کے پاس آ گئی غنودگی کی سی کیفیت تھی اور پہلے بھی چند دنوں سے غنودگی کثرت سے رہتی تھی حضرت خالہ جان (اہلیہ محترمہ) مدظلہا فرماتی ہیں کہ میں نے بیٹی عطیہ کو آواز دی کہ آب زمزم لاؤ چمچی سے منہ میں ڈالو اللہ تعالیٰ آبِ زمزم کی برکت سے شفا دیں چنانچہ چند چمچ آب زمزم کے ڈالے گئے فرماتی ہیں کہ میں نے ایک ہاتھ سر مبارک پر اور دوسرا داڑھی مبارک پر رکھا۔ حضرت والا نے ایک لمبا سانس لیا اور میں نے غور سے آنکھوں کو دیکھا تو وہ کھلی ہوئی ہیں اور پتھرائی ہوئی ہیں

ہیں سمجھ گئی کہ حضرت والا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ظریف صاحب ساڑھے تین بجے دفتر پہنچے تو دس منٹ کے بعد اطلاع آئی کہ فوراً گھر پہنچیں حضرت والا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے۔ظریف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹر عبدالغفور صاحب کو ساتھ لیا۔ ڈاکٹر عبدالغفور صاحب نے بھی آخری ایام میں حضرت والا کی بہت خدمت کی ہے علاج معالجہ کے انتظامات میں بہت زیادہ دوڑ بھاگ کی ہے حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر دیں تو ظریف صاحب فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالغفور صاحب کو ساتھ لے کر جب میں گھر پہنچا تو حضرت والا اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

چونکہ حضرت والا کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد تجہیز و تکفین میں بہت جلدی کی جائے اسلئے ملتان سے باہر سے بہت کم حضرات جنازہ میں شریک ہو سکے گیارہ بجے کے قریب جنازہ کی نماز حضرت والا کے نواز صحبت قاری اسحٰق صاحب نے پڑھائی اور رات پونے بارہ کے قریب دفن سے فراغت ہوئی۔ آخری سانس حضرت والا نے تقریباً پونے چار بجے شام لی جمعرات کا دن تھا ۱۱۔اپریل ۱۹۸۵ء کی تاریخ تھی۔

پس ماندگان

وفات کے وقت حضرت کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ مدظلہا بقید حیات ہیں۔بڑے صاحبزادے چودھری لطیف صاحب لاہور میں سمال انڈسٹری میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں ان سے چھوٹے صاحبزادے چودھری عفیف صاحب کینیڈا میں انجینئرنگ میں بڑے عہدہ پر ہیں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزم ظریف صاحب ملتان ہی میں پی آئی اے میں دفتری کام میں بڑے اچھے عہدہ پر ہیں۔

مجازین بیعت

۱۔ مستری محمد ابراہیم صاحب مکان نمبر ۳۲۴ بوہڑ والی گلی نواں شہر ملتان۔
۲۔ حاجی محمد فاروق صاحب بیت الاشرف باغ حیات سکھر۔
۳۔ ڈاکٹر احسان الحق صاحب قریشی ایم۔ایس۔سی۔ایم۔بی۔بی۔ایس ۸ء گاف روڈ لاہور۔
۴۔ سید نادر شاہ صاحب۔ بستی دائرہ۔ ملتان۔ ۵۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال جاوید صاحب گورنمنٹ کالج پشاور۔ براستہ کوٹری سندھ۔ ۶۔ ڈاکٹر محمد عبدالواحد السید المحترم ص۔ب۔۸۴۴ مکۃ المکرمہ سعودی عرب۔ ۷۔ حاجی عبدالرزاق صاحب۔ جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد۔ لاہور۔ ۸۔ مولوی محمود اشرف صاحب عثمانی ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور۔ ۹۔ ماسٹر عبدالرب صاحب ۲۵۔ ملا سٹریٹ۔

پرنام ھٹ ۶۲۵۸۱۰ نارتھ ارکوٹ ڈسٹرکٹ تمیل ناڈو۔ ساؤتھ انڈیا۔ ۱۰۔ ماسٹر اقبال صاحب قریشی ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ متصل ڈاکخانہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر۔ ۱۱۔ حافظ محمد اسحٰق صاحب ادارہ تالیفات اشرفیہ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۰ ریلوے روڈ ملتان شہر۔ ۱۲۔ مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور۔ باقی حضرات کے نام معلوم نہیں البتہ مکتوبات اشرفیہ طبع ہٰذا میں مکمل فہرست درج ہے۔ جو زیر طبع ہے

مجازین صحبت ۱۔ ماسٹر محمد گلزار صاحب بیت الاشرف۔ باغ حیات۔ سکھر۔

لفظ آخر احقر اپنی استطاعت سے اچھی طرح واقف ہے اور ہرگز اس مشکل مضمون کے لکھنے کی ہمت وجرات نہ تھی لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ عزیزم مولوی محمود اشرف سلمہ

خلیفہ حضرت والا نے کس درد بھرے انداز میں احقرؒ سے کہا کہ اگر آپ حضرت والا کے حالات نہ لکھیں گے تو کون لکھے گا احقر ایک دفعہ انکار اور اعتراض کر چکا تھا اب ان الفاظ کے بعد کانپ گیا اور سوچا کہ حضرت والا کا حق ہے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ تو لکھ دوں۔ کیا عجب کہ احقر کی بخشش اسی سے ہو جائے اور چند دن مولائے کریم نے فرصت کے کچھ اسباب بھی محض اپنے فضل سے بنا دیئے تو مختصر سا مضمون حضرت والا کے چند حالات سے متعلق لکھنے کی توفیق ہو گئی۔ یہ مُشتے از خروارے ہے۔ کوئی صاحب ہمت اور صاحبِ قلم اگر ہمت کر کے مزید تفصیل لکھ سکیں تو خود اُن صاحب کیلئے بھی اور ہم سب طالبین کیلئے بھی دنیا و آخرت کی راحت و ترقی کا سامان ہوگا۔

SHAMSI
For
CANVAS
&
TENTS
SHAMSI CLOTH
AND GENERAL MILLS LTD.
(KARACHI PAKISTAN)

HEAD OFFICE:
3. Idris Chambers,
Talpur Road,
Karachi-2.
Phones: 221941 - 238081
Grams: "Canvas" Karachi.
TELEX

MILLS:
A-50, Sind Industrial
Trading Estate
Manghopir Road,
Karachi-16
Phones: 290443 - 290444

تعارف و تبصرے

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے۔

مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ۔ طبع پنجم

تالیف: حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہٗ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ) ۱۸×۲۳ سائز کے ۳۴۸ صفحات۔ کتابت اور کاغذ عمدہ، طباعت مناسب۔ جلد نہایت خوبصورت اور جاذب نظر۔ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ ریلوے روڈ۔ ملتان۔ قیمت درج نہیں۔

حضرت مولانا الحاج ماسٹر محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے ان خلفاء میں سے تھے جنکی زندگی میں حضرتؒ کی صحبت نے انقلاب عظیم برپا فرمایا۔ انہوں نے اس کتاب میں حضرتؒ کے ساتھ اپنے تعلق کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ بڑے دلچسپ پیرائے میں تحریر فرمایا ہے، اور حضرتؒ کے بہت سے ملفوظات بھی۔

اس سے قبل اس کتاب کے چار اڈیشن نکل چکے ہیں، پانچویں اڈیشن میں حضرت مؤلف قدس سرہٗ نے بہت سے مکاتیب اور ملفوظات کا اضافہ فرمایا تھا، لیکن ابھی یہ اڈیشن تشنۂ طباعت ہی تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اب یہ کتاب حضرتؒ کے مسترشد خاص مولانا محمد اسحاق صاحب نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے اور حسن صورت کے لحاظ سے بھی پچھلے تمام اڈیشنوں پر فائق ہے۔

یہ کتاب نوادر حکمت و معرفت کا مرقع ہے، ہر ہر صفحہ حکیمانہ افادات پر مشتمل اور علم و عمل میں اضافہ کرنے والا، اور دلچسپ اس قدر کہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر اسے چھوڑنا مشکل ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اس سے کماحقہٗ استفادہ کریں گے۔ (م ت ع)

نام کتاب، ماھی الذکریۃ (عربی) تالیف: مولانا احتشام الحق آسیا آبادی سائز: ۲۰×۳۰/۱۶

کل صفحات: ۴۸ اردو ترجمہ: مولانا سعید اشرف ندوی قیمت: درج نہیں ناشر: جمعیۃ انصار السنۃ المحمدیہ تربت۔ مکران۔ بلوچستان۔

ذکری فرقہ ایک گمراہ فرقہ ہے جو اسلام کا مدعی ہونے کے باوجود نماز کا منکر ہے۔ یہ ایک قسم کا باطنی فرقہ ہے جو اپنی تعلیمات چھپاتا ہے اور تقیہ سے کام لیتا ہے جس کے سبب بہت سے مسلمان نہ صرف انہیں مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ ان سے شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم کرتے ہیں۔ ذکری ختم نبوت کے منکر ہیں۔ ان کے عقائد اسلام سے بالکل مختلف ہیں۔ کوہِ مراد پر حج کی نقل اتارتے ہیں۔ یہ فرقہ بلوچستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کتاب میں ذکری فرقہ کی تاریخ، ان کے عقائد اور باطل مزعومات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مولانا سعید اشرف ندوی صاحب نے اہل عرب کی واقفیت کے لیے عربی ترجمہ کر دیا ہے تاکہ عربی داں حضرات بھی اس گمراہ فرقہ کی حقیقت سے واقف ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ مؤلف، مترجم اور ناشر کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور گمراہ ذکریوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ (ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ تصنیف: حضرت مولانا محمد نافع سائز: ۱۸×۲۳/۸

کل صفحات: ۸۰ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکہ بکس۔ ۵ بخشی اسٹریٹ متصل چوک اردو بازار لاہور

حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم، دار العلوم دیوبند کے فاضل، علم و عمل کے جامع اور اعتدال پسند طبیعت کے مالک ہیں، آپکی تحریر میں متانت و سنجیدگی غالب ہے۔ دل آزار تحریر سے پرہیز کرتے ہیں، آپ کی جملہ تصانیف تحقیق اور تلاش کا بہترین مرقع ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب حضرت ابو سفیانؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت ہند بنت عتبہ کے حالات و کمالات پر مشتمل ہے۔

حضرت ابو سفیانؓ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر اور حضرت ہندؓ بنت عتبہ آپ کی خوشدامن تھیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا تقاضہ ہے کہ آپ کے باعظمت قرابت داروں سے محبّت کی جائے۔ ان کی عظمت کا نقش دلوں میں قائم کیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے دشمنی کرنا اور ان کے معاملے میں عصبیت کا پرچار کرنا کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا اور حقیقت میں مومن اور مسلمان وہی ہے جو صحابہ کرامؓ سے محبّت رکھے ان کا احترام کرے اور اُن کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنائے۔

صحابہ کرامؓ پاکیزہ نفس بزرگ، اسلام کے عظیم داعی، اور تعلیمات اسلام کے پیروکار تھے، ان میں باہمی محبّت و مودّت کا بہت عظیم جذبہ موجزن تھا قرآن کریم نے بھی ان کی باہمی محبت کی شہادت دی ہے۔

لیکن یہ بھی افسوسناک حقیقت ہے کہ ایک مختصر گروہ اسلام کی صاف اور سیدھی تعلیمات کے باوجود صحابہ کرامؓ سے دشمنی کو نیکی جانتا ہے اور ان کو بُرا بھلا کہنے کو ثواب گردانتا ہے۔

ضرورت تھی کہ اس مسموم زہر کے لیے کوئی تریاق ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کی غیرت اور عظمت پر جو گرد اڑائی گئی ہے اسے صاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام مولانا محمد نافع صاحب سے لیا کہ صاف اور سنجیدہ طریقہ

ہر عام فہم عبارت میں دلائل و براہین اور مستند حوالہ جات کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی حقیقی عظمت کو دوبالا کر دیا جس کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

اس کتاب کو لکھنے میں کافی محنت کی گئی ہے چنانچہ ۶۴ مستند کتب سے قیمتی مواد لے کر ۱۸ سے زائد عنوانات پر مشتمل یہ کتاب تیار کی گئی ہے اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ان دونوں باعظمت ہستیوں کی عظمت کو شاندار طریقے سے خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے لائق مطالعہ ہے اور صاف وستھرے طریقہ پر شائع کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے اور مؤلف اور ناشر کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ (ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: تصوف کی حقیقت مؤلف: ثناء الحق صدیقی سائز: ۲۰×۳۰/۱۶

کل صفحات: ۱۶۰ قیمت: ۸/- روپے ملنے کا پتہ: (۱) ادارہ دانش و حکمت ۱۳ ڈی بلاک بی۔ نارتھ ناظم آباد کراچی۔ (۲) پاک اکیڈمی دوکان نمبر ۲۲ جامع مسجد باب الاسلام آرام باغ کراچی نمبر ۱

تصوف ان تدبیروں کے علم کا نام ہے جو احکام شرعیہ پر عمل کو سہل و آسان بنانے کے لیے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ تصوف کے اعمال و اشغال درحقیقت ایک روحانی معالجہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ہر زمانے کے افراد اور اس کے تقاضوں کے پیش نظر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوۃ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیا کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیا کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ مختلف روحانی سلسلوں نے اذکار و اشغال کے جو طریقے اختیار کیے وہ مخصوص علاقوں کے بسنے والوں کے طبعی رجحانات کو سامنے رکھ کر کیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی بعض چیزیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ تھیں، تصوف اسلامی میں حالات کے پیش نظر بطور معالجہ داخل کرنا پڑیں لیکن ان چیزوں کی بناء پر نہ تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ تصوف غیر اسلامی چیز ہے اور نہ ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ تصوف اسلام دوسرے مذاہب کی شاخ ہے یا یہ نصرانیت، عجمیت یا افلاطونیت سے ماخوذ ہے کیونکہ جو چیزیں شریعت مقدسہ کے بالکل خلاف ہیں ان پر صوفیاء اسلام نے خود ہی سخت قسم کی تنقید کی ہے اور انہیں قابل رد بلکہ شدید قسم کی گمراہی قرار دیا ہے البتہ جو جزوی طریقے غیر اسلامی تھے لیکن اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ تھے اُن کو صوفیاء کرام نے حکمت و مصالح انسانی کے پیش نظر اختیار اور قبول کیا اور اس طرح کے اختیار و قبول میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تصوف کی حقیقت چشیدہ ہے۔ پڑھنے دیکھنے سے یہ سمجھ میں نہیں آسکتی جس طرح آم کا مزہ کھانے سے معلوم ہوگا، پڑھنے اور بولنے سے سمجھ میں نہیں آئے گا۔

ثناء الحق صدیقی صاحب متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ تصوف کے کوچہ سے نابلد و ناآشنا ہیں۔ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے تصوف کی حقیقت کو واضح کیا ہوگا لیکن وہ خود ہی الجھن میں مبتلا ہیں اور یہ الجھاؤ ساری کتاب میں موجود ہے۔ چند مستشرقین اور غیر مسلم مصنفین کی آراء کو نقل کر کے یا شطحیات کو درج کر کے یہ ثابت کرنا کہ

تصوف غیر اسلامی ہے اور تصوف کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ صرف سطحی بات ہے بلکہ کم علمی بھی ہے۔ کتاب عوام کیا خواص کے لیے بھی الجھاوے کا باعث ہے۔ مصنف اس کتاب پر محنت صرف کرنے کی بجائے کسی اور مفید اور علمی کام میں اپنا وقت صرف کرتے تو بہتر تھا۔ کتاب سفید کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ (ا۔ا۔ خ۔ س)

نام کتاب: النحو الیسیر شرح نحو میر مؤلف: مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم سائز: ۲۰×۳۰/۸

کل صفحات: ۱۳۶ قیمت: سولہ روپے پتہ: مکتبہ اسلامیہ امدادیہ۔ حبیب شہید کالونی۔ فیصل آباد

نحو میر، علم (عربی) نحو کی ایک مختصر کتاب ہے جو فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ اس میں الفاظ تھوڑے اور مطالب و معانی بہت ہیں، یہ کتاب علم نحو کے مبتدی طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معرب و مبنی اور اعراب و بناء کی پہچان ہو جاتی ہے اور عربی عبارت کی صحیح ترکیب کرنے کا سلیقہ اس انداز سے پیدا ہو جاتا ہے کہ عبارت کا مطلب صاف سمجھ میں آنے لگتا ہے۔

یہ کتاب چونکہ علم و نحو کی تعلیم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور ہر شخص کو اس سے سابقہ پڑتا ہے اور اکثر مدارس عربیہ میں زیر درس ہے اس لیے اس کی کئی شرح، عربی، فارسی اور اردو میں تحریر کی گئی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب بھی نحو میر کی شرح ہے جس میں یہ خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ عبارت آرائی اور حقائق بیان کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے اور نحو میر میں لکھے ہوئے مسائل کی توضیح کے ساتھ ساتھ اس باب کے دیگر ضروری قابل فہم قواعد بھی سہل عبارت میں پیش کر دیے گئے ہیں جن سے اجرائے قواعد اور ترجمہ قرآن پاک و تفسیر قرآن مجید میں کافی امداد ملتی ہے۔

مؤلف نے اس کتاب کی تحریر میں ابن عقیل، الاشمونی، بدر منیر اور مصباح منیر کے علاوہ بعض دیگر کتب سے بھی مدد لی ہے۔ یہ کتاب سفید کاغذ پر عمدہ طریقہ پر شائع کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ طلبہ کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ویسے یہ اساتذہ کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ (ا۔ا۔ خ۔ س)

نام کتاب: خواص اسمائے حسنیٰ المعروف بہ تجلیات ربانی و جمال مع طریقۂ فاتحہ یعنی مجربات حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ مرتبہ حافظ سید محمد جمال الدین شاہ دہلویؒ

سائز: ۲۰×۲۶/۸ کل صفحات: ۶۴ قیمت: ۸ روپے ناشر: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسمائے حسنیٰ کی شرح فارسی زبان میں تحریر فرمائی تھی، جس کا اردو ترجمہ مولانا نواب قطب الدین خان صاحبؒ نے کیا تھا۔ اس کے بعد حافظ سید محمد جمال الدین شاہ دہلویؒ نے خواص اسمائے باری تعالیٰ جو حضرت شیخؒ نے شاہ عبد الرحمٰن چشتیؒ کی شرح اور بعض مشائخ کرام کے مکاشفہ اور سماع سے لکھے ہیں اخذ کرکے اور اس کے سوا اپنی سند سے جو سینہ بسینہ اپنے بزرگوں سے ملے ہیں اضافہ کرکے بعد تصحیح برائے نفع جملہ مسلمین قلمبند کیے پھر ہر اسم کے اعداد کے دو نقش مثلث اور مربع بنا کر اور معنی اور خواص مع اعتصام و اختتام و شرائط عامل و طریق دعوت لکھ کر جمال رحمانی نام رکھا۔

اسمائے باری تعالیٰ کے علاوہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مقدسہ بھی درج کیے گئے ہیں۔ آخر میں پچاس سے زائد سوالات و جوابات درج کیے گئے ہیں جو حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ نقشبندی چشتی قادری بھر وری کے تحریر فرمودہ ہیں۔ شریعت کی روشنی میں ان تمام مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے جو مرنے کے دوران پیش آتے ہیں۔ مروجہ رسوم و بدعات کی تردید صاف اور سادہ الفاظ میں کی گئی ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے لائق مطالعہ ہے۔ البتہ آخر میں درود تاج تحریر کی گئی ہے جس میں

بعض کلمات شریعت کے خلاف ہیں، آئندہ ان کلمات کو نکال کر شائع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

کتاب سفید کاغذ پر بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے جو ناشر کے اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتی ہے

اللہ تعالیٰ کتاب کو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ناشر کو دارین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ آمین۔ (ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: اتمام البرہان فی رد توضیح البیان حصہ دوم و سوم تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مدظلہ سائز ۲۳×۱۸/۸ کل صفحات: ۲۵۶ قیمت: ۱۶ روپے ناشر: ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب، محقق عالم دین، صاحب نظر بزرگ اور حقیقت نگار صاحب قلم ہیں۔ آپ کا قلم اسلام کے خلاف ہر فتنہ کا سدباب کرتا ہے۔ رفض و بدعات، الحاد و گمراہی کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور راہ مستقیم دکھانا، دلائل و براہین کے ذریعہ حق کی حقانیت اور باطل کی کمزوری واضح کرنا آپ کے قلم کا اعجاز ہے۔

تردید باطل اور تردید رفض و بدعت کا فریضہ انجام دینے کے باوجود آپ کے قلم کی متانت و سنجیدگی اور شائستگی و سلامتی اپنی جگہ ممتاز ہے۔ آپ کی تحریر زور بیان کا شاہکار اور اثر انگیزی و دلپذیری میں اپنی مثال آپ ہے۔

عرصہ ہوا جب مولانا موصوف نے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کے ترجمہ و تفسیر قرآنی کی غلطیاں بغیر کسی تعصب کے محض علمی اور شرعی نکتۂ نظر سے واضح کی تھیں اور بتایا تھا کہ یہ ترجمہ بے شمار غلطیوں کا مجموعہ ہے نیز یہ کہ اس کے حاشیہ پر درج تفسیر جملہ اہل علم، جمہور علماء، مفسرین، محدثین اور فقہاء اہل سنت والجماعت کے خلاف اور خود ساختہ ہے۔ اس گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر رابطہ عالم اسلامی اور متحدہ عرب امارات نے اس غلط ترجمہ اور تفسیر پر پابندی لگادی ہے تاکہ لوگوں کا ایمان شرک و کفر اور رفض و بدعت کی گندگی سے آلودہ نہ ہو اور خالص دین جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے منقول ہے دنیا میں باقی رہے۔

ان تفسیری غلطیوں کے اظہار سے جہاں بے شمار لوگوں کا ایمان محفوظ رہا اور مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ کا احترام قائم رکھنے میں مدد ملی اور لوگ قعر گمراہی میں گرنے سے محفوظ رہے۔ وہیں ایک صاحب نے شرک و بدعت کی بے جا حمایت میں توضیح البیان کے نام سے رطب و یابس جمع کرکے ایک ضخیم کتاب تیار کردی جس میں ان غلطیوں کی پاسداری کی گئی تھی اور ان غلط باتوں کی حمایت میں بے شمار صفحات سیاہ کیئے گئے تھے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ نے اس غلط تحریر کا رد، اتمام البرہان کے نام سے تحریر فرمایا جس کے ابھی تک تین حصے شائع ہوئے۔ بقیہ حصے زیر ترتیب ہیں۔

زیر تبصرہ حصے دلائل و براہین سے بھرے ہوئے ہیں۔ مکائد شیطانی کا تجزیہ بڑی سلاست روی کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے پڑھنے سے جہاں ترجمہ اور تفسیر کی غلطیاں واضح ہوتی ہیں وہیں انہیں پڑھ کر دل کا نور اور آنکھوں کا سرور بڑھتا ہے۔

اسی ضمن میں بہت سے مستقل عنوانات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ظاد اور ضاد کے متعلق تحقیق ایصال ثواب کی حقیقت گیارھویں کا مسئلہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ، آپ کی بشریت وغیرہ وغیرہ جیسے دیگر بے شمار اعتراضات کے مدلل و مکمل جوابات درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے قرب کا باعث ہوگا اور بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ کتابت و طباعت عمدہ کاغذ سفید۔ (ا۔ا۔خ۔س)

رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۶۶۷ ماہنامہ البلاغ کراچی